مارچ 2015، قیمت 10 ₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

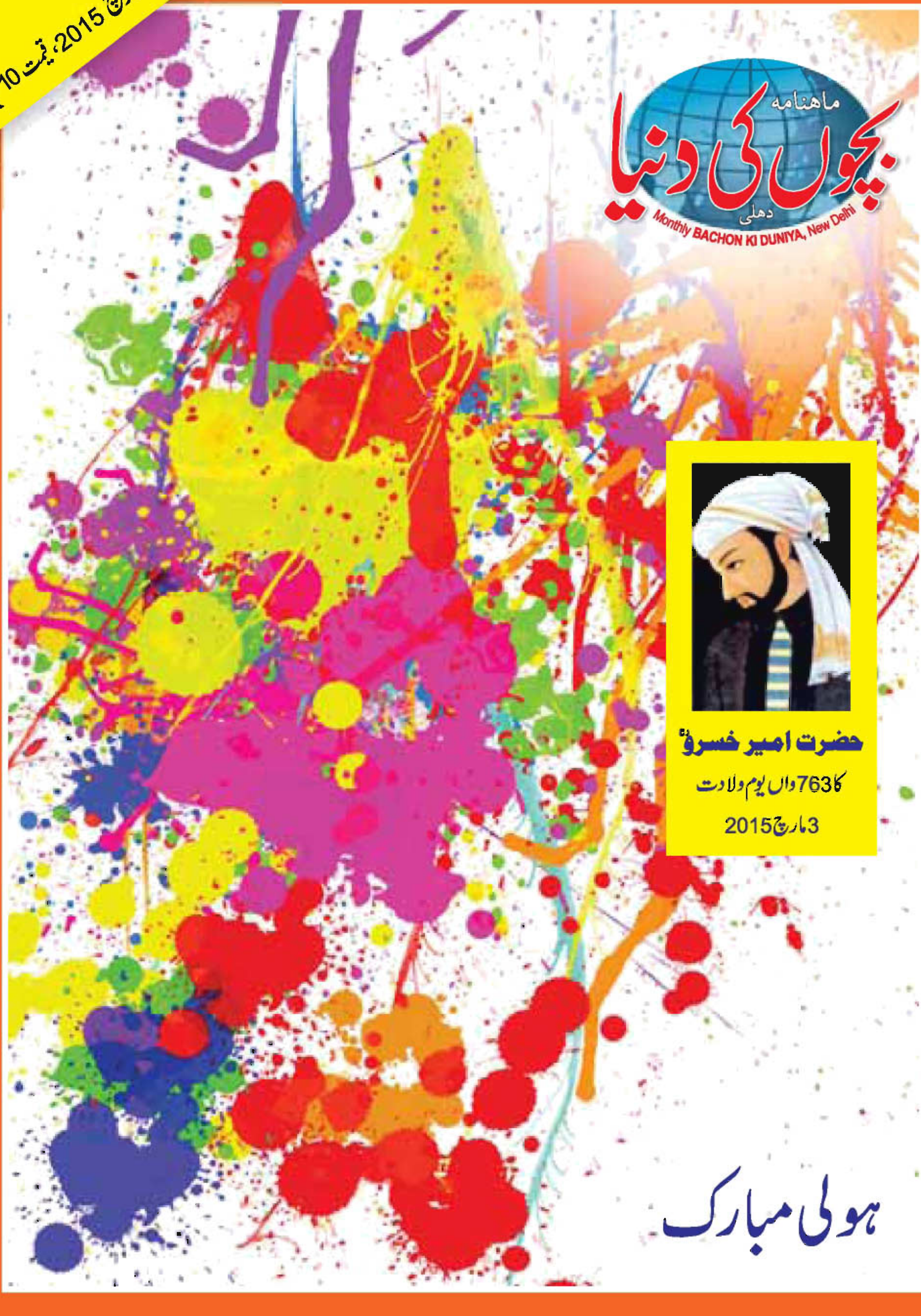

حضرت امیر خسروؒ

کا763واں یوم ولادت

3مارچ2015

ہولی مبارک

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ
اردو دنیا
دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھئے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی
فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھئے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:3 شمارہ:3 مارچ 2015

اس شمارے میں

عنوان	تحریر	قلم کار	صفحہ
مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	4
نظمیں	ہولی کے رنگ	نظیر اکبر آبادی	5
	ہولی کا دن آیا	احمد کلیم فیض پوری	6
کہانیاں	اڑتا شکاری/محبت کی زبان	محمد داؤد	7
ہندی کہانی	ایک تھے اخروٹ بھائی	ہندراج بلوانی/غلام فرید شیخ	9
عربی کہانی	سات مارخاں	کامل کیلانی/احمد نسیم صدیقی	13
سائنس کی الف لیلہ	ایلیمنٹ نمبر 51 کی دریافت	مترجم: انیس الدین ملک	19
دل چسپ معلومات	کنگارو	ایم آئی ساجد، سہیل عالم	24

عنوان	تحریر	قلم کار	صفحہ
دو نظمیں	بول ترے انمول ری مینا/دو سنڈے	مظفر حنفی	28
کامکس کہانی	بھولے بھالو کی حماقتیں	ادارہ	29
دنیا کی سیر	یہ ہے قاہرہ	خاور حسن	35

عنوان	تحریر	قلم کار	صفحہ
ایک تھا بچپن	ماں اور چوری	سلام بن رزاق	41
قسط وار ناول	رابنسن کروسو-4	ڈینئل ڈیفو	43
نانی کا صندوق	نظم: پیٹو کی کہانی	جرم محمد آبادی	53
اردو ایس ایس	یہ مزے مزے کی حکایتیں	ادارہ	54
بچوں کا اخبار	بچوں کی خبریں	ادارہ	58
اردو فیس بک	بچوں کی باتیں	ادارہ	59
ننھے فنکار	بچوں کی تخلیقات	ادارہ	60
انٹرنیٹ سے	انوکھے منظر	ادارہ	62

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

اعزازی مدیر: نصرت ظہیر

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا فیز-II، نئی دہلی-110020

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

صدر دفتر
فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون 49539000
شعبۂ ادارت: 49539009-11
ای میل
bachonkiduniya @ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

شعبۂ فروخت: فون: 26109746
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم،
نئی دہلی-110066
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں

شاخ 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون: 24415194 - 040

آپس کی باتیں

لو بھئی سردیاں گئیں اور اب بسنت بہار کی آمد آمد ہے۔ دوستو یہ رنگوں، پچکاریوں، محبت اور میل جول کے خوب صورت تہوار ہولی کا موسم ہے جو ہندوستان میں ہی نہیں آس پاس کے ملکوں میں، یا یوں کہہ لیجیے کہ پورے جنوبی ایشیا میں بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ دراصل یہ سردی کے موسم کی رخصت کا اعلان مانا جاتا ہے۔ یوں تو یہ ہندوؤں کا تہوار ہے لیکن ہندوستان کے جنوبی اور شمال مشرقی علاقوں میں دوسرے مذہبوں اور فرقوں کے لوگ بھی اسے مناتے ہیں۔ یہ ہندوستان کا بہت پرانا تہوار ہے اور اس کے ساتھ کئی روایتیں جڑی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بہت پرانے زمانے میں ایک راجہ ہرنیا کشیپ ہوا کرتا تھا جو بہت ظالم تھا اور خود کو خدا کہتا تھا۔ لیکن خود اس کے بیٹے پرہلاد نے اسے خدا ماننے سے انکار کردیا۔ راجہ نے اسے بہت سخت سزائیں دیں مگر وہ اپنی بات پر قائم رہا۔ آخر ایک دن راجہ نے اپنی بہن ہولکا کو بلایا جو اسی کی طرح ظالم تھی۔ طے ہوا کہ ہولکا پرہلاد کو گود میں لے کر آگ میں بیٹھ جائے گی۔ خود آگ سے بچانے والا شال اوڑھ لے گی اور اس طرح پرہلاد ختم ہوجائے گا۔ چنانچہ ایک بڑا الاؤ روشن کیا گیا۔ ہولکا پرہلاد کو لے کر آگ میں اتر گئی لیکن اسی دوران آگ سے بچانے والا شال ہولکا کے جسم سے ہٹ کر پرہلاد سے لپٹ گیا اور ہولکا جل کر بھسم ہوگئی۔ اس کے بعد راجہ بھی مارا گیا۔ اسی روایت کے تحت ہولی کا تہوار رات میں آگ جلانے کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور پھر دن میں دوپہر تک رنگ کھیلا جاتا ہے جس کے بعد لوگ پوجا پاٹھ کرتے ہیں اور مٹھائیاں بانٹتے ہیں۔

مارچ کا یہ مہینہ اردو کے پہلے شاعر کی یاد بھی اپنے ساتھ لاتا ہے۔ یہ ہیں طوطیِ ہند حضرت امیر خسرو دہلوی، جو شمسی کیلینڈر کے مطابق 3 مارچ 1253 کو پٹیالی، اتر پردیش میں پیدا ہوئے تھے۔ یوں تو امیر خسرو بنیادی طور فارسی کے شاعر تھے اور اپنے فارسی کلام کی بدولت اپنی زندگی میں ہی سینٹرل ایشیا کے دور دراز ملکوں تک مشہور ہوگئے تھے لیکن ہندوستان کی تہذیب وثقافت، رہن سہن کے طور طریقوں اور زبانوں و بولیوں سے انھیں بڑا پیار تھا۔ چنانچہ انھوں نے کھڑی بولی اور برج بھاشا کے میل جول سے وجود میں آنے والی اس وقت کی اردو زبان میں بھی شعر کہے جو ہندوی زبان کہلاتی تھی۔ اس زبان میں غزلوں کے علاوہ انھوں نے شادی بیاہ کے گیت، کہہ مکرنی جیسی پہیلیاں اور دوہے بھی کہے۔ ان کے نام سے منسوب بہت سے لوک گیت آج بھی ملک کے اکثر علاقوں میں مقبول ہیں۔ قومی اردو کونسل کے ایما پر سرکاری اجازت سے ان کے یوم پیدائش کو ہندوستان میں 'یوم اردو' کے طور پر منایا جانے لگا ہے۔ چنانچہ اس سال بھی میری آپ سے اس موقع پر یہی گزارش ہے کہ 3 مارچ کو 'یوم اردو' منائیں اور اردو زبان وادب کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کا عہد کریں۔

اس سب کے ساتھ مارچ کا مہینہ آپ میں سے بہت سوں کے سالانہ امتحانات کا بھی مہینہ ہے۔ ہمارے بچپن کے دنوں میں اسکولی بچوں کو سب سے زیادہ ڈر اسی مہینے کا رہا کرتا تھا۔ مگر آج کل کے بچے ماشاءاللہ خاصے ہوشیار ہوگئے ہیں۔ انھیں مارچ کے مہینے سے اتنا ڈر نہیں لگتا جتنا ہمارے بچپن کے ہم جولیوں کو رہا کرتا تھا۔ پھر بھی کچھ تو فکر آج بھی رہتی ہی ہے۔ اس لیے اچھی طرح محنت کیجیے اور کوشش کیجیے کہ آپ ہر پرچے میں نہ صرف کامیاب ہوں بلکہ زیادہ سے زیادہ نمبر لاکر پاس ہوں۔ یاد رکھیے آپ جتنے بھی اچھے نمبروں سے پاس ہوں گے اتنی ہی آپ کے ابّو اور امّی کی عزت بڑھے گی۔ اور ہاں جب نتیجے آئیں تو اپنی شاندار کامیابی کی اطلاع ہمیں بھی دیں۔

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

ہولی مبارک

□ نظیر اکبرآبادی

ہولی کے رنگ

پھر آن کے عشرت کا مچا ڈھنگ زمیں پر
اور عیش نے عرصہ ہے کیا تنگ زمیں پر
ہر دل کو خوشی کا ہوا آہنگ زمیں پر
ہوتا ہے کہیں راگ کہیں رنگ زمیں پر
بجتے ہیں کہیں تال کہیں چنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

معمور ہیں لوگوں سے گلی کوچہ و بازار
اڑتا ہے عبیر اور کہیں پچکاری کی ہے مار
چھایا ہے گلالوں کا ہر اک جا پہ دھواں دھار
پڑتی ہے جدھر دیکھو ادھر رنگ کی بوچھار
ہے رنگ چھڑکنے سے ہر اک دنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

ہولی کی نظیر اب جو بہاریں ہیں اہاہا
محبوب رنگیلوں کی قطاریں ہیں اہاہا
کپڑوں پہ جمی رنگ کی دھاریں ہیں اہاہا
سب 'ہولی ہے ہولی ہے' پکاریں ہیں اہاہا
کیا عیش ہے کیا رنگ ہے کیا ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

ہولی مبارک

احمد کلیم فیض پوری

ہولی کا دن آیا

ہولی کا تیوہار بھی ہم کو کیا کیا رنگ دکھاتا ہے
لال گلابی زرد سنہرا نیلا رنگ دکھاتا ہے
ننھے منّے چہروں پر ہے کیسا یہ آکاش کا رنگ
رنگوں کے بازار میں جیسے چاند سے اترا نیارا رنگ
آؤ مل کر ہولی کھیلیں ہولی کا دن آیا ہے
انگنا میں پچکاری کھیلیں ہولی کا دن آیا ہے
سامنے آئیں جو بھی ان کو رنگوں سے نہلانا ہے
رنگوں میں کتنا پیار بھرا ہے دنیا کو دکھلانا ہے
طوطا مینا جھولا جھولیں ناچیں گائیں آنگن میں
بندر بھالو دوڑ کے آئیں دھوم مچائیں آنگن میں
آگ جلائی بچوں نے تو چمک اٹھے ہیں گلیارے
ہولی جس دن گھر نہ آئے دور نہ ہوں گے اندھیارے
فصل کھڑی ہے کھیتوں میں اب کھلیانوں کی باری ہے
ہولی کے پکوان بنیں گے مہمانوں کی باری ہے
تیوہاروں کا کیا ہے احمد سب ہیں ہم کو ایک سمان
پونگل ہو یا عید دوالی دینا ہے سب کو سمّا ن

Ahmad Kaleem Faizpuri Shop No.6 Azad Market Bhusawal (M.S) 425201

محمد داؤد

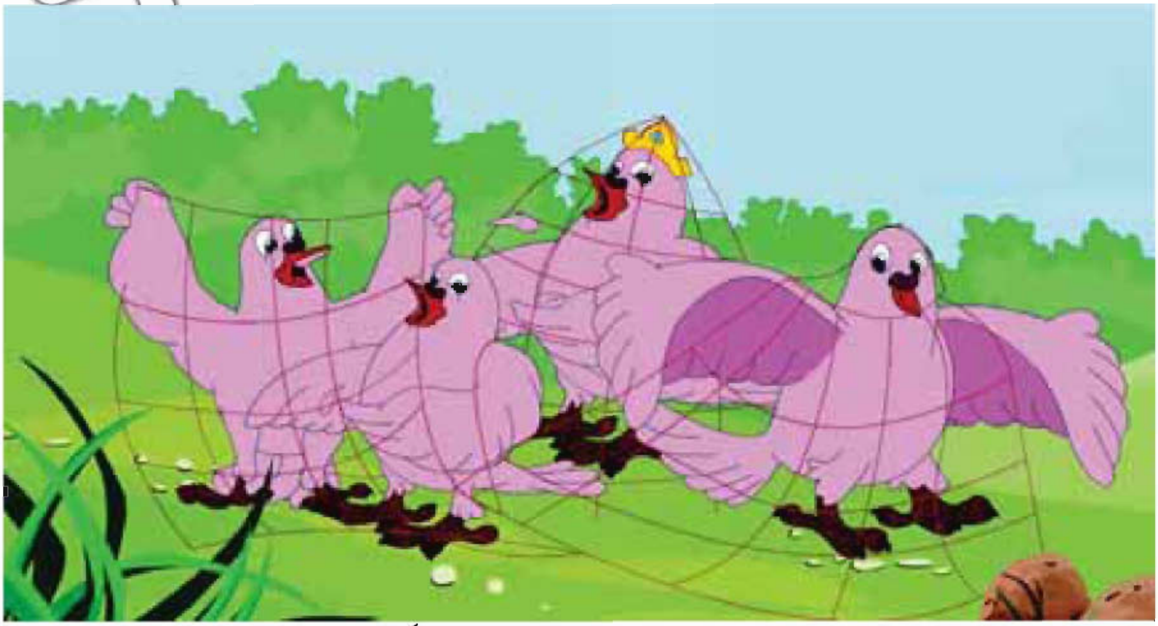

اڑتا شکاری

اس روز میں نے بہت سارا دانہ ڈالا اور دور تک جال پھیلا دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مرغابیاں آنی شروع ہوگئیں اور کچھ ہی دیر میں ان کی تعداد کافی ہوگئی۔ میں بہت خوش ہوا۔ سوچنے لگا کئی روز کے راشن پانی کا بندوبست ہوگیا ہے۔ کچھ مرغابیاں بازار میں بیچ بھی ڈالوں گا۔ اس طرح چھدّو کا قرض بھی اتار دوں گا۔ میں نے آہستہ آہستہ پھندا کسنا شروع کردیا اور جال کو پورے طریقہ سے کس دیا۔

اب تو چڑیاں بے چین ہوگئیں اور زور زور سے پھڑ پھڑانے لگیں۔ پھر آپس میں نہ جانے کیا صلاح مشورہ انھوں نے کیا کہ سب کی سب ایک ساتھ زور لگا کر جال ہی لے کر اڑیں۔ پہلے تو مجھے سخت غصہ آیا پھر میں نے دوڑ کر جال کی رسی مضبوطی سے پکڑ لی اور میں بھی اس کے سہارے ہوا میں اڑنے لگا۔ شروع شروع میں تو مجھے ہوا میں اس طرح اڑنا بڑا اچھا لگا۔ لیکن پھر مجھے بڑا ڈر لگنے لگا۔

ادھر جال جدھر سے بھی گذرتا لوگ شور مچانے لگتے۔ ایک مقام پر تو لوگ دوڑ دوڑ کر کمبل گدے لے آئے اور لگے زور زور سے چلانے بھائی جال کی رسی چھوڑ دو اور ہمارے گدوں پر کود پڑو ورنہ مرجاؤ گے۔ کسی بلڈنگ یا پہاڑی سے ٹکرا گئے تو ہڈی پسلی بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔

بس پھر کیا تھا میں ہمت کر کے کود پڑا کہ جان ہے تو جہان ہے۔ یہ مرغابیاں تو روز آتی۔ میں چلا گیا تو کیا ہوگا۔ بس اللہ کا نام لے کر میں نے جال کی رسی چھوڑ دی۔

جال کی رسی چھوڑنا تھا کہ میں دھم سے نیچے آن گرا اور باجی نے زور زور سے کھٹولا ہلا کر پکارا کہ بھیا یہ تم کیا بڑبڑا رہے ہو، اٹھو تمام دن چڑھ آیا۔ میں نے جو ہڑبڑا کر آنکھ کھولی تو نہ وہاں جنگل تھا نہ جال!

یا اللہ تیرا شکر ہے۔ ورنہ میں تو خواب میں فوت ہوگیا ہوتا!

گھر کے سارے لوگ اکٹھے ہوگئے، اور پوچھنے لگے کیا ہوا، کیا ہوا۔ میں نے کہا ''جان بچ گئی۔ لاؤ جلدی سے پانی پلاؤ، اور بڑھیا سا ناشتہ بھی کراؤ۔''

سب ایک ساتھ بولے ''کچھ بتاؤ گے بھی یا ہمیں بے وقوف ہی بناتے رہو گے؟''

جب میں نے اپنا خواب سنایا کہ کیسے میں پرندوں کا شکاری بن

گیا تھا اور پھر پرندوں نے ہی مجھے شکار کرلیا تو سارے لوگ کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔ مجھے خود بھی ہنسی آگئی۔

اس کے بعد ہم سب زور دار طریقے سے ناشتے پر ٹوٹ پڑے۔

□

محبت کی زبان

میں اوپر اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ ایک بڑا موٹا تازہ بندر میرے سامنے آکر منڈیر پر بیٹھ گیا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں ظالم حملہ نہ کردے۔ مگر وہ چپ چاپ بیٹھا رہا البتہ ایسی آواز نکالتا رہا جس سے درد کا گمان ہوتا تھا اور گردن بھی کچھ ایک طرف کو کیے ہوئے تھا۔

میں نے محسوس کیا اس کی گردن میں کچھ تکلیف ہے۔ غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ اس کی گردن میں کانٹا چھپا ہے جو صاف نظر آرہا تھا۔ میں نے کچھ ہمت کی اور اس کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔

میرا اشارہ کرنا تھا کہ وہ ایک دم میرے پاس آگیا۔ میں نے اس کی گردن دیکھی اور کپڑے سے کانٹا پکڑ کر فوراً نکال دیا۔ کانٹا نکلتے ہی اسے بے انتہا راحت محسوس ہوئی اور وہ اچانک میرے قدموں پر گر گیا میں نے اس کو چمکارا اور اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ جب تک نہیں اٹھا جب تک اس کو اپنے طور پر تسلی نہ ہوگئی کہ میں نے شکریہ ادا کردیا ہے۔ سر اٹھا کر تھوڑی دیر بعد پھر قدموں پر گر گیا۔ ہم نے اس کو کچھ کھانے کو دیا اور وہ چلا گیا۔

ایک دو گھنٹے بعد وہ پھر آیا اور اس بار اس کے ساتھ اس کی بندریا بھی تھی۔ دونوں بلا جھجک ہمارے قریب آگئے اور پھر دونوں پیروں میں گر پڑے۔ جب دونوں کو احسان شناسی پر کچھ اطمینان ہوا تو اٹھے اور چلے گئے۔ اس کے بعد کئی روز تک آتے رہے۔

□

Dr Mohd Dawuod
Multani Clinic Lohari Saran, Nagina-246762

ہندراج بلوانی/ ہندی سے ترجمہ: غلام فرید شیخ

ایک تھے اخروٹ بھائی

ایک تھے اخروٹ بھائی۔ موٹے اور مضبوط۔ خشک میوے کی ایک دکان میں، کانچ کے مرتبان میں اپنے دوسرے عزیزوں کے ساتھ بند تھے۔

ایک دن دکان پر بھرت لال نام کا ایک گاہک کچھ خریدنے آیا۔ اس نے اخروٹ بھی خریدے اور دیگر اخروٹوں کے ساتھ ساتھ اخروٹ بھائی بھی بک گئے۔ اب وہ گاہک کی تھیلی میں بند تھے۔ اخروٹوں کی تھیلی لے کر بھرت لال تو اپنے گھر لوٹے، ان کے بچوں نے انھیں گھیر لیا۔

''پپا! پپا! مجھے اخروٹ دیجیے''

''مجھے بھی چاہئے''

''مجھے دو چاہئیں''

''میں تین لوں گا''

بھرت لال نے سب کو دور ہٹاتے ہوئے، گرجدار آواز میں چلا کر کہا ''کسی کو بھی اخروٹ وخروٹ نہیں ملیں

گے۔ ان اخروٹوں سے مزے دار حلوا تیار کیا جائے گا۔ تم لوگ اب اخروٹ توڑنے میں میری مدد کرو۔''

سب اخروٹوں کو فرش پر بکھیر دیا گیا، گول گول اخروٹ فرش پر ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ چوٹیں پڑنے والی تھی نا اس لیے۔ مار کے ڈر سے تو اچھے اچھے بھوت بھاگ جاتے ہیں یہ تو بے چارے ٹھہرے اخروٹ، ان کی کیا بساط؟ گھر کے تمام لوگ ہتھیاروں سے لیس تھے۔ کسی کے ہاتھ میں ہتھوڑی تو کسی کے ہاتھ میں لوہے کا چمٹا اور سل کا بٹّہ۔ اخروٹ توڑنے کا کام کسی جنگ سے کم نہ تھا۔ تمام لوگ بہادروں کی طرح میدانِ جنگ میں کود پڑے۔

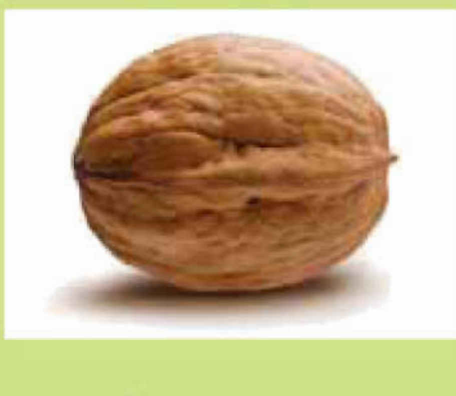

اخروٹوں کی ہڈیاں کڑ کڑ کرتی ٹوٹنے لگیں۔ اپنے اخروٹ بھائی برادری کے بھائیوں کی حالتِ زار دیکھ کر اپنے بچاؤ کی ترکیب سوچنے لگے۔ مگر گھر کے تمام لوگوں کا پہرا بڑا سخت تھا، ان کی نظروں سے بچ کر کوئی باہر جائے یہ ممکن نہ تھا۔

آخر کار ہمارے اخروٹ بھائی بھی بھرت لال کے ہاتھ لگ ہی گئے۔ بھرت لال نے اپنے ہتھوڑے سے ایک زوردار وار کیا۔ دھڑاک!

اخروٹ بھائی بھی کافی استاد تھے۔ بھرت لال کے وار سے پہلے ہی انھوں نے اپنی جگہ بدل لی۔ اس طرح بھرت لال کا وار اوچھا پڑا۔ پھر اخروٹ بھائی کا خول بھی خاصا موٹا تھا اور ان کے جسم کی ساخت بھی مضبوط تھی۔ اخروٹ بھائی ہاتھوں کی گرفت سے چھوٹ کر دور جا گرے۔ بھرت لال بڑبڑانے لگے۔ ''یہ اخروٹ تو کافی سخت نظر آرہا ہے۔''

اسے دوبارہ سے اپنے ہاتھوں میں لے کر انھوں نے پھر ایک ضرب لگائی۔ اس مرتبہ وار کافی زوردار تھا، اور ترچھی چوٹ سے اچھل کر اخروٹ بھائی کھڑکی کے باہر دوسرے گھر میں جا گرے۔ اس گھر میں رَوی نام کا لڑکا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ اس نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی تو اپنی کتابیں چھوڑ کر فوراً وہاں آ پہنچا جہاں سے آواز آئی تھی۔ رَوی جب باورچی خانے میں پہنچا تب اس کی چھوٹی بہن پہلے سے ہی وہاں موجود تھی۔ دونوں نے باورچی خانے کے اسٹینڈ پر ایک اخروٹ کو دیکھا۔ دونوں کو بڑا تعجب ہوا۔ چھوٹی بہن ترپتی نے فوراً اخروٹ اٹھالیا اور بڑی معصومیت سے اپنے بھائی کو پوچھنے لگی ''یہ اخروٹ اپنے گھر میں کہاں سے آیا؟''

رَوی کے پاپا کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھی دوڑتے ہوئے باورچی خانے میں پہنچے۔ پپا نے کہا ''ٹھہرو! ٹھہرو! اسے کھانے میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ پہلے میں اس بات کی تصدیق کرلوں کہ یہ سچ مچ اخروٹ ہی ہے یا اور کوئی چیز ہے؟''

پپا نے اخروٹ کا غور سے معائنہ شروع کیا۔ اخروٹ بھائی کو تعجب ہوا کہ یہ حضرت اتنا باریکی سے کیوں معائنہ کررہے ہیں؟ رَوی اور ترپتی نے بھی حیرت ظاہر کی اور پوچھا ''آپ اس اخروٹ کو اتنا غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

آیئے اس اخروٹ کوتوڑ کر کھائیں''

وہ باورچی کھانے سے جاکر لوہے کا موسل لے آئی، دستہ دیکھتے ہی اخروٹ بھائی کے ہوش اڑ گئے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ انہیں کچھ ہی دیر میں مار کا سامنا کرنا تھا۔

رَوی نے اپنی تمام طاقت کا استعمال کرتے ہوئے لوہے کے موسل کا ایک زور دار وار اخروٹ بھائی پر کیا۔ مگر اخروٹ بھائی ٹھہرے ہوشیار۔ پہلے کی طرح وار سے پہلے ہی اپنی جگہ تبدیل کرلی۔ لوہے کا موسل بس انھیں چھو ہی سکا۔ وار خالی گیا اور اخروٹ بھائی اچھل کر جاپڑے قریب کی ایک جھونپڑی میں۔ اخروٹ بھائی نے من ہی من میں بچ نکلنے کی خیر منائی۔ اب اخروٹ بھائی جس جھونپڑی میں تشریف لائے تھے وہاں ایک غریب لڑکا، کالو اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ کالو کو پڑھنے لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ وہ قریب کے سرکاری اسکول میں پڑھنے جاتا تھا۔ اپنی تعلیم کا خرچ وہ لوگوں کی امداد کے بغیر پورا نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اخروٹ بھائی کو دیکھ کر کالو نے اپنی ماں سے پوچھا ''امی! امی!

پپا نے کہا ''تمھیں اس بات کا علم نہیں ہے مگر آج کل کچھ دہشت گرد لوگ مختلف چیزوں یا کھلونوں میں بم وغیرہ چھپا کر رکھ دیتے ہیں، اور اس کی وجہ سے کئی بے گناہ لوگوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ راستے میں پڑی ہوئی ایسی انجان لاورث چیزوں کو ہمیں کبھی بھی نہیں چھونا چاہئے۔ ہماری چھوٹی سی غلطی کا خطرناک انجام آسکتا ہے۔''

آخر کار معائنہ پورا ہوا اور پپا نے اپنا فیصلہ سنادیا ''لیجیے یہ ایک سچا اور شریف اخروٹ ہے۔ اس سے کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

اپنی تعریف کے یہ جملے سن کر اخروٹ بھائی خوش ہوگئے۔

ترپتی نے کہا '' رَوی بھیا!

آخر کار معائنہ پورا ہوا اورپپا نے اپنا فیصلہ سنادیا ''لیجیے یہ ایک سچا اور شریف اخروٹ ہے۔ اس سے کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔''
اپنی تعریف کے یہ جملے سن کر اخروٹ بھائی خوش ہوگئے۔
ترپتی نے کہا '' رَوی بھیا! آئیے اس اخروٹ کو توڑ کر کھائیں''

یہ کیا ہے؟''

یہ سن کر اخروٹ بھائی کو صدمہ پہنچا اور تعجب بھی ہوا۔ یہ بھلا کیسا لڑکا ہے جو مجھے پہچانتا تک نہیں؟

کالو کی امی نے کہا ''بیٹا! یہ تو اخروٹ ہے۔''

کالو نے دوبارہ پوچھا ''اخروٹ یعنی کیا؟''

''اس نے تو حد کردی۔ یہ لڑکا کتنا جاہل ہے'' اخروٹ بھائی سوچنے لگے۔ ''جب اسے ابھی تک یہ پتہ نہیں کہ اخروٹ کیا ہے تو اس کے ذائقے کے متعلق اسے کیا معلوم ہوگا۔''

یہ لڑکا انھیں کیوں نہیں پہچانتا یہ بات وہ ذرا سا غور کرنے پر جان گئے۔ اخروٹ بھائی سمجھ گئے جو لڑکا اتنا غریب ہے کہ پڑھائی کا خرچ بھی نہیں اٹھا سکتا، اس نے خشک میوے بھلا کہاں چکھے ہوں گے۔

کالو نے فوراً اخروٹ کو منہ میں رکھنا چاہا۔ امی جان نے یہ دیکھ کر کہا ''بیٹا! اس کی جلد کافی سخت ہوتی ہے، اسے جوں کا توں کھانے میں دقت ہوگی۔ جا باہر جا کر ایک پتھر لے آ۔ پتھر سے توڑ کر میں تجھے دیتی ہوں۔''

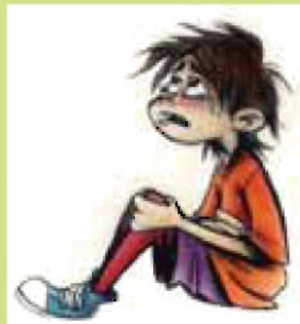

کالو دوڑتا ہوا باہر گیا اور ایک بڑا سا پتھر لے آیا۔ پتھر کو دیکھ کر اخروٹ بھائی کو پسینہ چھوٹنے لگا۔ ماں اب پتھر لے کر اخروٹ توڑنے کی کوشش کرنے لگی مگر اخروٹ بھائی وہی پرانی ترکیب آزمانے لگے۔ پتھر کو آتے دیکھ کر اپنی جگہ بدل لینے میں اخروٹ بھائی کو کافی مہارت حاصل تھی۔

اخروٹ توڑنے کا سلسلہ کافی دیر چلتا رہا۔ امی جان اخروٹ توڑنے میں ناکام ہوگئیں تب انہوں نے یہ کوشش بند کردی۔ کہنے لگیں ''یہ تو ٹوٹتا ہی نہیں۔''

مگر کالو ضد پر اڑا ہوا تھا کہ مجھے کسی بھی قیمت پر یہ اخروٹ توڑ کر دیجیے۔ ماں نے اسے سمجھایا ''میں تجھے دوسرے اخروٹ لا کر دوں

گی۔ تو اس اخروٹ کو پھینک دے۔''

لیکن کالو رونے لگا۔ '' مجھے تو یہی اخروٹ چاہئے اور ابھی چاہئے۔''

امی نے کہا ''اچھا رونا بند کر۔ میں پھر سے کوشش کرتی ہوں''

غریب کالو کو اس طرح روتے دیکھ کر اخروٹ بھائی کا دل بھی پگھلنے لگا۔ وہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ آج تک اپنی جان بچانے کے لئے کئی ترکیبوں کا سہارا لیا ہے مگر آج اس غریب کالو کے لیے مجھے ٹوٹنا ہوگا، بکھرنا ہوگا، میرا ذائقہ کیسا ہے اس کو بتانا ہوگا۔ آج مجھے اس لڑکے کے لیے قربان ہونا پڑے گا۔ چلو اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ آخر ایک دن تو دنیا سے جانا ہی ہوگا''

امی نے جیسے ہی پتھر اٹھایا اخروٹ بھائی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اخروٹ بھائی اس کے لیے تیار ہی تھے۔ یک بیک اخروٹ بھائی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بکھر گئے۔ یوں اخروٹ بھائی کا طویل سفر ختم ہوا۔ جاتے جاتے انھیں بس ایک ہی اطمینان تھا۔ ان کی زندگی کسی کے تو کام آرہی ہے!

Dr Hundraj Balwani
172, Maharathi Society, Sardar Nagar,
Ahmedabad - 382475
Shaikh Gulamfarid I
618, Keshavs Mistriyas Khancha
Opp. Tokar Shahs Pole
Jamalpur Pagathiya
Ahmedabad - 3800001

کامل کیلانی ترجمہ: احمد نسیم صدیقی

سات مار خاں

ایک دن صبح کے وقت نعمان اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چند کپڑوں کی سلائی کر رہا تھا۔ اسی وقت اسے ایک بوڑھی عورت کے گانے کی آواز سنائی پڑی۔

”کیا کوئی نہیں ہے جو ایک روپے میں سیر بھر شہد خریدے، کوئی لذیذ ترین شے کھا کر مزا پائے۔“

نعمان نے اسے گاتے ہوئے اپنے پاس بلایا۔

”اے نیک بخت میرے پاس آؤ، اور مجھے ایک روپے میں شہد دو۔“ اس نے بوڑھی عورت سے شہد خرید لیا اور اسے اپنی روٹی پر رکھ کر روٹی کو اپنے قریب رکھ لیا تاکہ کام ختم کرنے کے بعد وہ اسے کھا سکے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ چند مکھیاں اس روٹی پر منڈرا رہی تھیں۔ اس نے غصے سے انھیں دور بھگا دیا اور بڑ بڑایا۔ ”اے جرأت مند مکھیوں! تمہیں کھانے پر کس نے بلایا تھا؟ اگر تم دوبارہ آئیں تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔“ مگر مکھیاں پھر آموجود ہوئیں۔ یہ دیکھ کر نعمان کو غصہ آگیا۔ اس نے دھمکی دیتے ہوئے مکھیوں کو آگاہ کیا اور کہا: ”تمہاری اس نادانی کا انجام برا ہوگا۔“

مگر مکھیوں نے اس کی ایک نہ سنی۔ وہ دوبارہ آموجود ہوئیں۔ اب نعمان کا غصے سے برا حال تھا۔ اس نے ان پر زبردست وار کیا اور سات کو مار ڈالا۔ مکھیوں کا انجام دیکھ کر وہ خوشی سے چیخ پڑا۔ ”ارے واہ کیا بہادری دکھائی میں نے۔ فقط ایک وار اور سات ختم۔ لوگوں کو میرے اس کارنامہ کے بارے میں جاننا چاہیئے تاکہ وہ دور دور تک میری بہادری کا چرچا کریں۔“

اس نے اپنے طور پر ایک ضرب المثل بنائی۔ ایک بار میں سات۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود دوسری جگہوں پر جا کر اپنا کارنامہ بتائے

گا، اور سفر کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے راستے میں کھانے کے لیے پنیر کا ایک ٹکڑا رکھ لیا۔ تبھی اسے اپنی کھڑکی پر ایک گوریا نظر آ گئی۔ نعمان نے اسے بھی پکڑ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ اپنے راستہ پر چلتا رہا۔ وہ بہت خوش تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک جنگل تک جا پہنچا۔ وہاں اسے ایک دیوزاد دکھائی دیا، جو اس کے راستے کی روکاوٹ بن گیا۔ دیوزاد نے نعمان پر ایک حقارت بھری نظر ڈالی اور مذاق کے انداز میں نعمان کو مخاطب کیا۔ ''اے چھوٹو! تم کون ہو؟ اور تمہیں کیا چیز لائی ہے؟''

نعمان نے مسکراتے ہوئے جواب میں کہا ''اس تختی کی طرف دیکھو اور پڑھو جو کچھ اس پر لکھا ہے، تم جان جاؤ گے میں کون ہوں؟ دیوزاد گو کہ تحریر سے مرعوب ہوا مگر اس کی طاقت کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک بھاری پتھر اٹھایا اور اسے اپنے ہاتھ میں لے کر توڑ ڈالا۔ پھر نعمان کو چیلنج کیا کہ وہ بھی ویسا ہی کر کے دکھائے۔

نعمان نے اس کی طاقت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ''کیا یہی تمہاری طاقت کی انتہا ہے؟'' پھر اس نے اپنی جیب سے پنیر کا ٹکڑا نکالا اور ایسا ظاہر کیا گویا اس کے ہاتھ میں پتھر کا ٹکڑا ہو۔ نعمان نے پنیر کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور اس کا پانی نیچے گرا دیا۔

اس نے دیوداز کو چڑھاتے ہوئے چیلنج کیا: ''کیا تم پتھر کو نچوڑ کر اسی طرح پانی نکال سکتے ہو؟'' دیوزاد کو بہت غصہ آیا، اس نے ایک دوسرا پتھر اٹھایا اور اوپر کی جانب اچھال دیا۔ وہ پتھر کچھ دیر کے لیے فضا میں غائب ہوا پھر زمین پر واپس آ گیا۔

اب نعمان نے اپنی جیب سے گوریا کو نکالا اور فضا میں اڑا دیا۔

گوریا اڑتی رہی اور آخر کار غائب ہوگئی۔ وہ واپس نیچے نہیں آئی۔ نعمان کو چڑھانے کا

ایک اور موقع مل گیا۔ ''تمہارا اچھالا ہوا پتھر تو زمین پر واپس آ گیا لیکن میرا پتھر قطعی واپس نہیں آئے گا۔''

دیوداز یہ سب دیکھ کر اس کی بہادری اور مہارت سے حیرت میں پڑ گیا۔ اب وہ نعمان کے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے دونوں زمین پر پڑے ہوئے ایک بڑے سے درخت کے قریب پہنچ گئے۔ دیوزاد نے درخت کو راستے سے ہٹانے کے لئے نعمان سے مدد مانگی۔ نعمان بولا ''تم درخت کو جڑوں کی طرف سے اٹھاؤ جبکہ شاخوں کی جانب سے میں اٹھاتا ہوں۔''

جب دیوزاد درخت کا نچلا حصہ اٹھانے لگا تو نعمان نے درخت کو اس کی جانب ڈھکیل دیا، اور خود اس کی شاخوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ وہ ہنس رہا تھا گا رہا تھا اور ایسا ظاہر کر رہا تھا گویا دیوزاد کی مدد کر رہا ہو۔

جب دیوزاد نے درخت کو کافی دور لے جا کر زمین پر رکھ دیا تو نعمان کود کر نیچے آ گیا۔ پھر مذاق اڑانے کے انداز میں بولا: ''کیا بات

ہے تم تو ہانپ رہے ہو؟ جبکہ مجھے تکان کا قطعی احساس نہیں ہو رہا۔“ دیوزاد یہ سن کر غصہ ہوگیا اور اس نے نعمان کو ختم کردینے کا ارادہ کرلیا۔ پلان کے تحت اس نے محبت اور خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے نعمان کو اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔ کھانے کا وقت ہونے پر دونوں نے ساتھ ساتھ کھانا کھایا پھر سونے کے لیے دونوں اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔

نعمان کو اپنی چھٹی حس سے اندازہ ہوگیا تھا کہ دیوزاد اس کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ پلنگ کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد دیوزاد کمرے میں داخل ہوا اس کے ایک ہاتھ میں موٹا ڈنڈا تھا اور اس کا بھائی بھی اس کے ہمراہ تھا جس کے ہاتھ میں ایک تیز چاقو نظر آرہا تھا۔ دونوں نے مل کر نعمان کے بستر پر ڈنڈے اور چاقو سے حملہ کردیا۔ پھر جب انہیں یہ یقین ہوگیا کہ نعمان مرچکا ہے دونوں وہاں سے چلے گئے۔ ادھر نعمان خاموشی سے پلنگ کے نیچے سے باہر آیا اور صبح ہوتے ہی جنگل کی جانب چل پڑا۔

جب دیوزاد اور اس کے بھائی کو نعمان کے غائب ہونے کا پتہ چلا وہ خوفزدہ ہوئے اور اس کی تلاش میں نکل پڑے۔ اب انہیں یقین ہوگیا تھا کہ نعمان ایک بہت ہی خبیث اور شاطر روح ہے۔

نعمان اپنے راستہ پر آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بادشاہ کے محل کے پاس جا پہنچا۔ اب اس پر تکان غالب آگئی تھی۔ لہٰذا وہ وہیں سو گیا۔ لوگ اس کے قریب سے گذرتے رہے اور وہ سوتا رہا۔ لوگ اس کی تختی پر جو کچھ لکھا تھا اسے پڑھ بھی رہے تھے۔ سب اس کی بہادری سے حیرت زدہ ہو رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے ذریعہ یہ بات بادشاہ کے کانوں تک جا پہنچی۔ بادشاہ نے نعمان کو اپنے پاس بلوایا۔ نعمان بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔

بادشاہ نے اس سے کہا: ”میں نے سنا ہے کہ تم نے ایک بار میں سات کو ختم کردیا ہے۔ میں تمہیں ایک بڑی فوج کے ہمراہ اپنے دو

نعمان کو اپنی چھٹی حس سے اندازہ ہوگیا تھا
کہ دیوزاد اس کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ
پلنگ کے نیچے جاکر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد
دیوزاد کمرے میں داخل ہوا اس کے ایک ہاتھ
میں موٹاڈنڈا تھا اور اس کا بھائی بھی اس کے
ہمراہ تھا جس کے ہاتھ میں ایک تیز چاقو نظر
آرہا تھا۔ دونوں نے مل کر نعمان کے بستر پر
ڈنڈے اور چاقو سے حملہ کردیا۔ پھر جب انہیں
یہ یقین ہوگیا کہ نعمان مرچکا ہے دونوں وہاں
سے چلے گئے ۔ ادھر نعمان خاموشی سے پلنگ
کے نیچے سے باہر آیا اور صبح ہوتے ہی جنگل
کی جانب چل پڑا۔

خطرناک دشمنوں کو ختم کرنے کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انعام کے طور پر میں اپنا نصف ملک تم کو دوں گا اور اپنی بیٹی کی شادی بھی تم سے کر دوں گا۔''

نعمان مسکرایا اور بولا ''مجھے حکم دیں، میں ان کے پاس تنہا ہی جاؤں گا اور دونوں کو گرفتار کر کے لے آؤں گا۔''

مگر بادشاہ اس پر راضی نہیں ہوا۔ اس نے حکم دیا۔ ''میرے کم سے کم سو100 فوجی تمہارے ہمراہ جائیں گے کیونکہ وہ دونوں بہت خطرناک اور بہادر ہیں۔

نعمان نے بادشاہ کا حکم مان لیا اور فوجیوں کو لے کر جنگل کی جانب چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ سب وہیں چھپے رہیں جب تک وہ خود واپس نہیں آجاتا ہے۔ نعمان جنگل کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ بہت ہوشیار اور چوکنا تھا۔ خوش قسمتی سے اسے دونوں دشمن ایک درخت کے نیچے سوتے ہوئے مل گئے۔ نعمان نے اپنی جیب میں چھوٹے چھوٹے پتھر بھر لیے تھے۔ پھر وہ ایک تناور درخت پر چڑھ گیا۔ اب اس نے ایک دیوزاد پر نشانہ لگا کر پتھر پھینکا۔

وہ ہڑبڑا کر نیند سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے سوچا شاید اس کے ساتھی نے ہی اسے پتھر مارا ہے۔ اس نے اپنے ساتھی کو ایک لات مارتے ہوئے پوچھا: ''جب میں سو رہا تھا تو تم نے مجھے پتھر کیوں مارا؟''

اس کا ساتھی بولا: ''کیا تم خواب دیکھ رہے تھے؟ میں تو خود ہی اب تک سو رہا تھا۔'' ساتھی نے اس کی بات مان لی اور دوبارہ سو گیا۔

نعمان تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا۔ جب دونوں دوبارہ سو گئے تو نعمان نے دوسرے دیوزاد کی ناک کو نشانہ بنایا۔ وہ بھی بلبلا کر اٹھ بیٹھا، اور اپنے ساتھی پر حملہ کر دیا۔ ساتھی نے جواب میں اس پر حملہ کر دیا اور دونوں آپس میں لڑنے لگے۔ پھر تھک کر سو گئے۔

اب نعمان نے دونوں پر ایک ساتھ پتھر پھینکے۔ ایک کی آنکھ پر اور دوسرے کے کان پر پتھر لگا۔ دونوں تکلیف کی شدت سے جاگ گئے اور ایک دوسرے پر پتھر اور درخت کی شاخوں سے حملے کرنے لگے۔ دونوں لڑتے لڑتے ختم ہو گئے۔ لڑائی بھی ختم ہو گئی۔ اب نعمان نے اپنے چاقو سے اس طرح وار کیے تاکہ جب فوجی دیکھیں تو سمجھیں کہ نعمان نے دونوں کو قتل کیا ہے۔

نعمان نے سپاہیوں کو بلایا اور انہیں دیوزادوں کا انجام دکھایا۔ سپاہیوں نے اس کی طاقت کو تسلیم کر لیا۔ نعمان واپس بادشاہ کے پاس

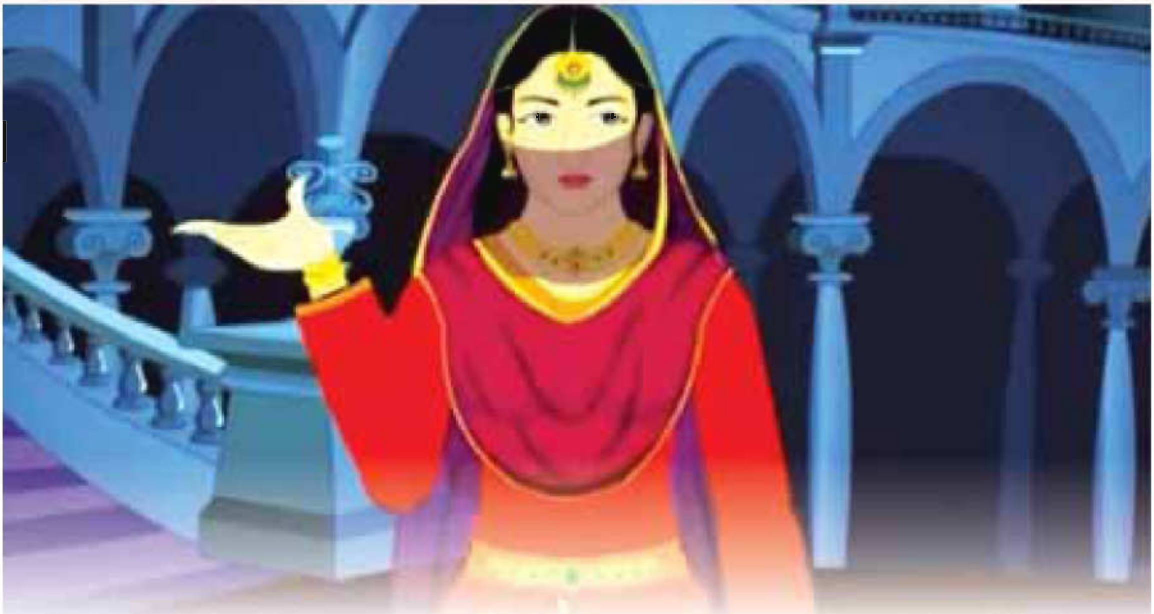

پہنچا۔ بادشاہ کو اس کی کامیابی کے بارے میں پتہ چلا۔

بادشاہ نعمان سے بولا: ''میں اپنے وعدے پر قائم ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ تم ہم لوگوں کو غضب ناک بیل سے بھی چھٹکارا دلا دو جو قریب ہی ایک جنگل میں رہتا ہے۔ لوگ اس کے شر سے کسی طرح محفوظ نہیں رہ پاتے ہیں۔ اگر تم اس کو قابو میں کر لیتے ہو تو لوگ چین سے رہ سکیں گے اور تم میری عنایتوں اور محبت کے مستحق ہو جاؤ گے۔''

نعمان فخریہ بولا: ''میں نے ایک وار سے سات کو ختم کیا ہے اور دو دیوزادوں کو ایسے ہلاک کیا ہے کہ وہ میرا بال بھی بیکا نہیں کر پائے۔ اب میں کسی سے کیا ڈروں گا۔''

نعمان پھر ایک بار جنگل کی طرف چل دیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک کلہاڑی اور ایک مضبوط رسی لیتا گیا۔ جب وہ جنگل میں داخل ہوا اس نے دیکھا کہ ایک خوفناک بیل اس کی جانب تیزی سے بڑھتا چلا آ رہا ہے، وہ فوراً ایک مضبوط اور اونچے درخت پر چڑھ گیا۔ یہ دیکھ کر بیل زیادہ غضب ناک ہو گیا۔ اس نے اپنی سینگوں سے درخت پر زوردار حملہ کر دیا۔ اس کے زور کی وجہ سے سینگ درخت کے تنے میں پیوست ہو گئے۔ اب وہ اپنے سینگ نکال نہیں پا رہا تھا۔ نعمان تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور اسے رسی سے باندھ دیا۔ اس کے سینگ کو اپنی کلہاڑی سے کاٹ دیا پھر رسی پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔

بادشاہ نے تسلی دیتے ہوئے نعمان سے کہا: ''میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تم نے خود کو وہ سب حاصل کرنے کا حق دار ثابت کر دیا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ہم لوگوں کو بدمزاج خنزیر سے بھی نجات دلا دو۔ وہ بھی جنگل میں رہتا ہے۔''

نعمان ایک رات کو جنگل جا پہنچا۔ اس نے خنزیر کی پناہ گاہ کے قریب ایک کافی بڑا گڈھا کھودا پھر اسے پتوں سے اور گھاس سے بھر دیا۔ اندھیرے میں بے چارہ خنزیر اس گڈھے کو پار نہیں کر پایا اور اسی میں گر پڑا۔ بادشاہ یہ جان کر بہت حیرت زدہ ہوا اور اس نے اپنی بیٹی کی شادی نعمان سے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

بادشاہ اپنی بیٹی کو نعمان کی بہادری کے قصے بتا بھی نہیں پایا تھا کہ وہ بول پڑی: ''مجھے خود اس کی بہادری کا امتحان لینا ہے۔ اگر وہ ویسا ہی ہے جیسا آپ بتا رہے ہیں تو اسے ایک رات وحشی بھالو کے ساتھ گذار کر دکھانا ہوگا۔''

نعمان نے یہ چیلنج بھی قبول کر لیا۔ جب رات آئی تو لوگوں نے

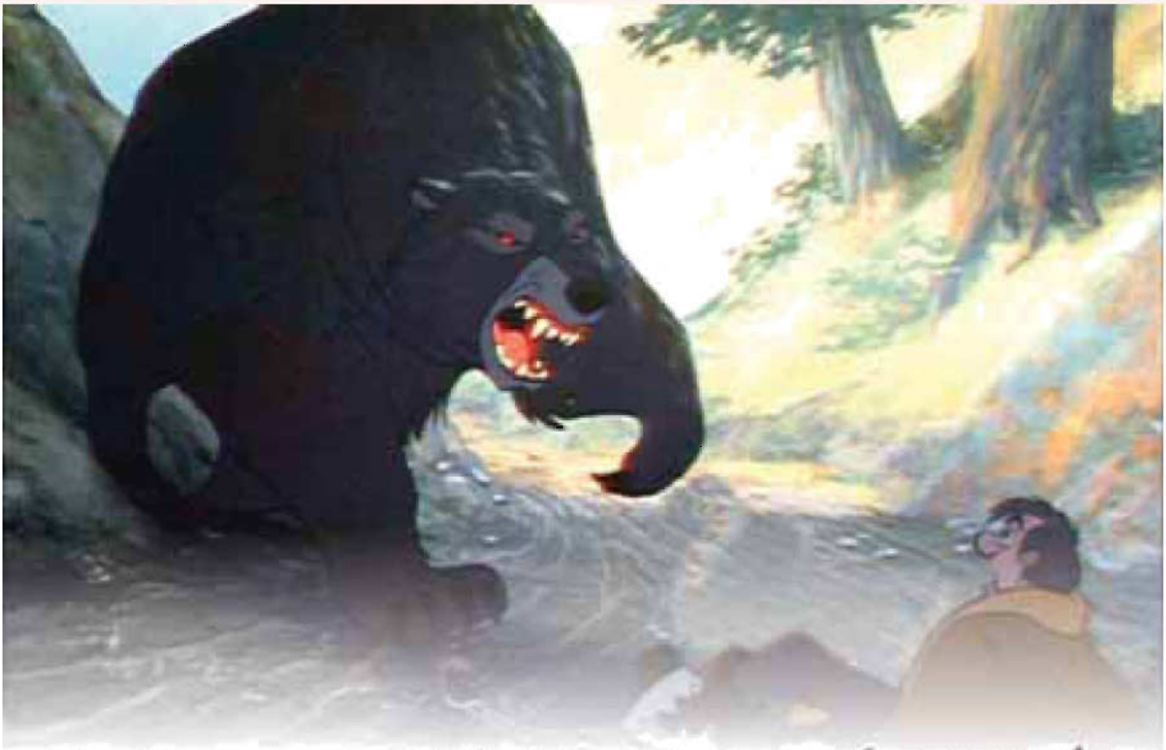

نعمان کو جنگلی بھالو کے باڑے میں دھکیل دیا۔ لوگ باڑے کا پھاٹک بند بھی نہیں کر پائے تھے کہ بھالو نے حملہ کے لیے جست لگا دی۔ نعمان نے جیب سے چند اخروٹ نکالے اور بھالو کی جانب اچھال دیے۔ بھالو اخروٹ کھانے میں مصروف ہوگیا۔ اسے اپنی پسندیدہ غذا مل گئی تھی۔ اس نے مزید اخروٹ مانگے۔

نعمان نے اخروٹ کے ساتھ سیسے کی چند گولیاں اس کی طرف پھینکیں۔ بھالو نے جب انھیں اخروٹ سمجھ کر کھانے کی کوشش کی تو وہ سخت گولیوں کو چبا نہیں سکا۔ اب نعمان نے خود چند اخروٹ کھائے تاکہ بھالو اسے دیکھ کر دوبارہ کوشش کرے۔ مگر بھالو سیسے کی گولیوں کو چبا نہیں پایا اور اسی کوشش میں اس کے سارے دانت ٹوٹ گئے۔ نعمان وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی ڈفلی نکالی اور بجانا شروع کر دیا۔ بھالو ناچنے لگا۔ وہ جھوم جھوم کر ناچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بھالو نے خود ڈفلی بجا چاہی تو نعمان نے اس کی جانب ڈفلی بڑھا دی۔ نعمان کی نظر اس کے لمبے اور نکیلے ناخنوں پر پڑی تو وہ چیخ اٹھا۔ "مجھے تمہارے یہ لمبے ناخن تراشنے ہوں گے۔ تاکہ ان سے ڈفلی کا چمڑا نہ پھٹے اور تم آسانی سے اسے بجا سکو۔"

یوں نعمان نے موقع کا فائدہ اٹھا کر بھالو کے تمام ناخن تراش دیے۔ پھر اس نے بھالو کو چھوڑ دیا اور اس کی جانب سے بے فکر ہوگیا۔ وہ وہیں مٹی کے ایک ٹیلے پر سو گیا جبکہ بھالو درد کی شدت سے رات بھر کراہتا رہا۔

جب صبح ہوئی، شہزادی اور بادشاہ اس کے پاس گئے تو انہوں نے دیکھا کہ نعمان نے بھالو کا کیا حشر کیا تھا۔ انہوں نے اس کی بہادری کا اعتراف کیا۔ چند دنوں کے بعد نعمان کی شادی شہزادی سے کر دی گئی اور بادشاہ نے اسے اپنے ملک کا 'محافظ' اور 'سرداروں کا سردار' کے خطابات سے نوازا۔

Prof Ahmad Naseem Siddiqui
610/2305, Bari Enlave
Keshav Nagar, Sitapur Road
Lucknow - 226001

مترجم: انیس الدین ملک/نظر ثانی: نصرت ظہیر

سائنس کی الف لیلہ

ایلیمنٹ نمبر 51 کی دریافت!

اینٹی منی Antimony چاندی سونے اور لوہے کی طرح ایک دھات ہے۔ یہ کیمسٹری میں بنیادی مادے یا عنصر Element کے طور پر جانا جاتا ہے جس کی علامت Sb ہے، کیونکہ لاطینی زبان میں اسے stibium کہتے ہیں۔

اس کا ایٹمک نمبر 51 ہے۔ اردو ہندی میں یہ سرمہ کہلاتا ہے جو سجاوٹ کے لیے آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے۔ اور بریلی کا سُرمہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا! لیکن پہلے اسے سیسہ یا سکّہ Lead سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں

پتہ چلا کہ یہ اپنے آپ میں ایک الگ عنصر ہے۔ اس کے کمپاؤنڈ، خصوصاً گندھک کے ساتھ بہت قدیم امانے سے لوگوں کے استعمال میں تھے۔ ابتدائی دور میں اینٹی منی سے مراد تھی سلفائڈ جو گندھک اور سرمہ ملنے سے بنتا ہے۔

علم کیمیا کے ایک مشہور تاریخ داں کے مطابق سلفائڈ کا استعمال ایشیائی خواتین پلکوں کو رنگنے، بلکہ پلکوں کے اندرونی حصے کو سیاہ کرنے میں استعمال کرتی تھیں قدیم شمالی اسرائیل کی ملکہ جیزبیل Jezebel

کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بننے سنورنے کا بہت شوق رکھتی تھی اور جب اس کے دشمنوں کا سپہ سالار جیہو Jehu جیز بیل کے پاس گیا تو اس نے اپنا چہرہ رنگ لیا۔ اس نے اپنی آنکھوں میں سلفائڈ ڈالا۔ عبرانی پیغمبر ایزیکل کے دور 622 تا 570 قبل مسیح میں بھی عورتوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔ دراصل اینٹی منی کے ذریعے آنکھوں کو سیاہ کرنے کا رواج ایشیا سے یونان آیا۔ مورس یا عربوں نے جب اسپین پر قبضہ کیا تھا تو اس دور میں بھی اسپینی خواتین اسے استعمال کرتی تھیں۔

اس دھات کی طویل تاریخ میں ایک دلچسپ کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام اینٹی منی کیوں تجویز کیا گیا۔ اس کہانی سے علم کیمیا کے ایک مشہور ماہر کے وجود کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔ کہانی کے مطابق پندرہویں صدی کا یہ ماہر علم کیمیا جس کا نام بیسل ویلنٹائن تھا Basil Valentine ، ویسے اس کا درست نام Basilius Valentinus تھا اور وہ سیکسونی کے ایک شہر ارفرٹ کی خانقاہ میں اپنے بھائی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کا بھائی بینیڈکٹائن کٹائنسلسلیسے تعلق رکھتا تھا۔

اس زمانے کے ماہرین علم کیمیا کا، جنھیں آپ کیمیا گر بھی کہہ سکتے ہیں، یہ دستور تھا کہ وہ اپنا اصلی نام چھپا کر کوئی فرضی نام رکھ لیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کیمیا گروں کو جادوگر سمجھ لیا جاتا تھا جس سے مذہب اور حکومت میں ان کے کئی دشمن پیدا ہو جاتے تھے۔ جس نام سے یہ راہب پکارا جاتا تھا، وہ بڑا ہی امتیازی نام تھا۔ عیسائی نام بیسل یا بیسلی یونانی زبان کے ایک لفظ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں بادشاہ۔ ویلنٹائن مشہور عیسائی سینٹ کا نام تھا جن کا عیسائی مذہب کو ماننے والے بے حد احترام کرتے ہیں۔

بیسل ویلنٹائن بہت ہی ممتاز ماہرِ علم کیمیا تھا۔ اس کی تحریروں میں اس زمانے کے علم کیمیا کے بارے اہم جانکاری ملتی ہے۔ ایک دلچسپ روایت کے مطابق اس نے اپنی موت سے پہلے اپنے تجربوں کے بارے میں لکھے گئے کاغذات ارفرٹ کے گرجا گھر میں مقدس قربان گاہ Altar کے پیچھے سنگ مرمر کی میز پر جان بوجھ کر اس عقیدے کے تحت رکھ دیا کہ جب کبھی اس کے ظاہر ہونے کی ضرورت پیش آئے گی یہ ایک معجزے کے طور پر باہر نکل آئے گا۔ برسوں بعد اس کے ظہور کا وقت آیا۔ گرجا گھر پر بجلی گری۔ اس کی دیواریں گر پڑیں اور بیسل ویلنٹائن کا رکھا ہوا مسودہ سب کے سامنے ظاہر ہو گیا۔

ویلنٹائن خانقاہ میں ایک بیمار راہب یعنی پادری کا علاج کرنا چاہتا تھا اس لیے اسے علم ادویات کے مطالعہ کی ضرورت پیش آئی۔ علاج کے لیے اس نے کسی معقول جڑی بوٹی کی تلاش شروع کی۔ گرچہ وہ اس تلاش میں ناکامیاب رہا لیکن جڑی بوٹیوں کے مطالعہ نے اسے ایک جوشیلا کیمیا گر بنا دیا۔ اس کے پاس کوئی تجربہ گاہ نہیں تھی اس لیے وہ سارے تجربے اپنے چھوٹے سے کمرے میں کیا کرتا تھا۔

بینیڈکٹائن سلسلے کی دوسری خانقاہوں کی طرح ارفرٹ کی خانقاہ میں بھی اپنا خرچ آپ اٹھانے والی خودکفیل برادری رہا کرتی تھی جن کے اپنے کھیت اور مویشی ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ مویشیوں اور پالتو مرغوں کو خانقاہ کے اطراف کی زمینوں میں گھومنے اور اپنی غذا تلاش کرنے کی اجازت تھی۔ ان کی غذا کا بڑا حصہ لوگوں کے

بچے کھچے کھانے ہوا کرتے تھے جسے وہ باہر پھینک دیتے تھے، کیونکہ اس زمانے میں ردّی کی ٹوکریوں یا کوڑے دان کا دستور نہیں تھا۔ لوگ کوڑا کرکٹ یا بچا کھچا کھانا سڑک پر یا مکانوں کے باہر خالی زمینوں پر پھینک دیا کرتے تھے اور یہ ایسے ہی چھوڑ دیا جاتا تھا اور کوئی بھی اس کی فکر نہیں کرتا تھا۔

ویلنٹائن اپنے تجربات ختم کرنے کے بعد ایسی چیزوں کو جو اس کے کام کی نہیں ہوتی تھیں اپنی کھڑکی سے باہر پھینک دیا کرتا تھا جہاں سے یہ کوڑا کرکٹ نیچے کوڑے کے بڑے سے ڈھیر میں جا گرتا تھا۔

ایک دن راہب نے خانقاہ کے سوروں کو دیکھا کہ وہ اس ڈھیر

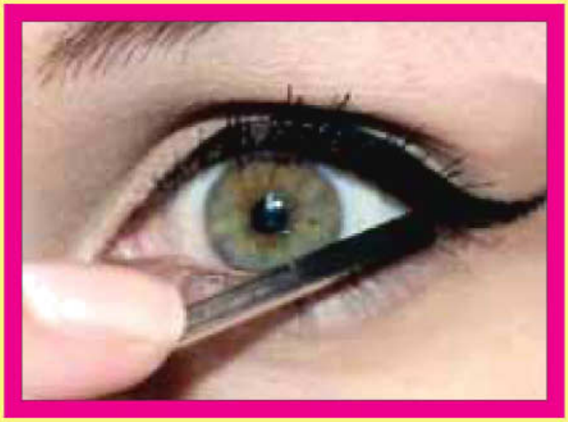

سرمہ پرانے زمانے سے آنکھوں کی سجاوٹ کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے

کوکھودنے میں مشغول تھے اور اس کوڑے کرکٹ کو مزے لے لے کر کھا رہے تھے۔ بیسل کا خیال تھا کہ سور اس کوڑے کو کھا کر بیمار ہوجائیں گے۔ سوروں پر اس فضلے کو کھانے کا اثر دیکھنے کے اشتیاق میں اس نے کچھ عرصہ تک سوروں پر اپنا مشاہدہ جاری رکھنے کا ارادہ کیا۔

لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ نقصان کے بجائے سوروں کو فضلہ سے کافی فائدہ ہوا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ پہلے کچھ سور بڑے کمزور اور دبلے پتلے سے تھے لیکن اب ان کے جسم پر چربی چڑھ رہی تھی اور وہ بڑے تندرست وتوانا ہوگئے تھے۔

ویلنٹائن نے دیکھا کہ اس کے کچھ راہب ساتھیوں کو غذا کم میسر تھی اور وہ دبلے پتلے تھے۔ سوروں کے مشاہدے سے اسے یہ یقین ہوگیا تھا کہ فضلہ سے ان بیمار راہبوں کو یقیناً فائدہ پہنچے گا۔ اس لیے اس نے ان راہبوں کو یہ کیمیاوی فضلہ کھانے کے لیے راضی کیا۔

بدقسمتی سے یہ نئی دوا کچھ راہبوں کے لیے بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی اس لیے کہ وہ اس دوا کے ردعمل کو برداشت کرنے کی حالت میں نہیں تھے بلکہ واقعی نہایت کمزور اور دبلے تھے۔ جبکہ وہ سور مقابلتاً ان سے تندرست تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بے چارے کمزور راہب اس دوا کے نقصان دہ اثرات کی تاب نہ لاکر دنیا سے چل بسے۔

زہر سے اپنے راہب ساتھیوں کی موت سے بیسل کو بہت دھکا پہنچا۔ اس غرض سے کہ یہ حادثہ پھر کبھی پیش نہ آئے اس نے فضلہ کو بیسل نے ایسا نام دینے کا فیصلہ کیا کہ ہر کسی کو اس کے زہریلے پن سے آگاہی ہوجائے۔ یہ نام اینٹی منی تھا۔ یہ نام اس لیے چنا کیونکہ اینٹی کے معنی خلاف کے ہوتے ہیں، اور موئن کے معنی راہب کے۔

اس المناک واقعہ کے بعد بیسل نے بڑے احتیاط کے ساتھ اینٹی منی کا مطالعہ کیا اور یہ دریافت کیا کہ اگر اسے کم مقدار میں استعمال کیا جائے تو یہ ایک بہت اچھی دوا ثابت ہوسکتی ہے۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں وہ تمام تیار کردہ شے جس میں یہ دھات ہوتی تھی اینٹی منی کہلاتی تھی۔

اس نام کے ایجاد کی دلچسپ کہانی کو اب من گھڑت سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ لفظ کوئی گیارہویں صدی سے استعمال میں ہے۔ اس کے علاوہ یہ لفظ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے

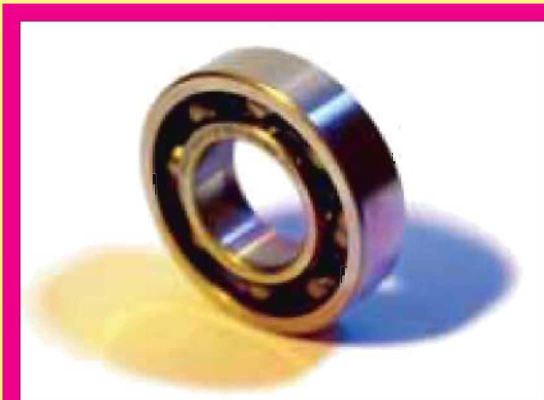

اینٹی منی کار بیٹری اور بال بیئرنگ بنانے میں بھی استعمال ہوتا ہے

Anti اور Moine جس کا آخری لفظ فرانسیسی ہے جبکہ بیسل جرمن زبان کا لفظ ہے۔

اس روایت کے وجود میں آنے کی وجہ بیسل کی لکھی ہوئی وہ کتاب ہے جس میں ایسی عبارات درج ہیں جن کی بنیاد پر یہ روایت بہ آسانی گھڑی جاسکی ہوگی۔ روایت اس طرح ہے:

''اگر کوئی شخص اپنے سور کو موٹا کرنا چاہتا ہے تو اسے دو تین دن آدھا گرین خام اینٹی منی کھلانا چاہیئے۔ اس سے سور کی آنتیں بالکل صاف ہوجائیں گی اور وہ آزادانہ کھاسکے گا اور تیزی سے موٹا ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ وہ صفراوی اور جزامی بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ (صفراوی بیماریاں وہ ہوتی ہیں جو پتّے سے خارج ہونے والے مادّے یعنی خِلط کے کم یا زیادہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں اور جذام کوڑھ کو کہتے ہیں۔ ن ظ) خام اینٹی منی کے انسانی جسم پر آزمانے کی رائے میں کبھی نہیں دوں گا۔ حیوان کچا گوشت اور دوسری چیزیں ہضم کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کا ہضم کرنا انسان کے معدے کی طاقت سے باہر ہے۔''

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بیسل نے خام اینٹی منی کو انسانوں پر استعمال کرنے سے خاص طور سے منع کیا ہے کیونکہ وہ اس کے نتائج سے باخبر تھا۔ کچھ تاریخ دانوں کو نہ صرف اس واقعہ کی صداقت پر شبہ ہے بلکہ ویلنٹائن کی ذات کے وجود پر بھی شک ہے۔ ایک تاریخ داں لکھتا ہے:

''اس کی شہرت اس کی تحریروں سے بیرونِ ملک میں اتنی پھیلی کہ شہنشاہ میکسی میلین اول کو اس حد تک دلچسپی ہوئی کہ اس نے 1515 عیسوی میں اس مشہور مصنف کی تلاش میں اس کی رہائش گاہ بینیڈ یکٹائن کنوینٹ پر اپنے آدمی بھیجے۔ لیکن بدقسمتی سے اس سلسلہ میں اس کی کوششیں ناکامیاب رہیں اور بعد کے لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔''

کچھ مصنفوں کے مطابق وہ تحریریں جنھیں ویلنٹائن سے منسوب کیا جاتا ہے جعلی ہیں کیونکہ ان میں کچھ ایسے سچے واقعات کا ذکر ہے جن کا ویلنٹائن کی تاریخِ وفات کے سو سال یا اس سے آگے تک بھی کسی کو پتہ نہیں تھا۔ ◻

قومی اردو کونسل کی مطبوعہ کتاب 'سائنس کی کہانیاں' جلد اول، سے ماخوذ

محمد اعجاز

کنگارو

پیارے بچو! اگر تم سے یہ سوال کیا جائے کہ اس جانور کا نام بتاؤ جو اپنے بچے کو تھیلی میں رکھ کر گھومتا پھرتا ہے۔ تو یقیناً تمھارا جواب ہوگا کنگارو۔ جی ہاں! یہ ایک عجیب وغریب جانور ہے جو آسٹریلیا کو چھوڑ کر کسی اور جگہ نہیں پایا جاتا۔ یہ اپنے بچے کو پیٹ پر بنی تھیلی میں رکھ کر گھومتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لمبی چھلانگ لگانے میں ماہر ہوتا ہے۔ یہ آسٹریلیا کے کھلے میدانوں، گھنے جنگلوں، ندیوں کے کنارے اور پہاڑوں پر پایا جاتا ہے۔ ان حیرت انگیز خصوصیات کی وجہ سے آسٹریلیا اسے اپنے قومی جانور کا درجہ بھی دے رکھا ہے۔ اس جانور کو اردو میں کنگارو، عربی میں کنغر اور انگریزی میں Kangaroo کہتے ہیں۔ اکثر کنگارو بھورے رنگ کے ہوتے ہیں اور ان کے

پستان کے نیچے بنی تھیلی میں رکھ کر گھومتا پھرتا ہے جسے دیکھنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ بچے بڑی حیرت اور دل چسپی سے اسے دیکھتے ہیں۔ دل ہی دل میں یہ سوچتے ہیں کہ اللہ نے کنگارو کے بچے کی حفاظت کا کتنا خیال رکھا ہے۔ شفقت ومحبت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے۔ بچہ بڑا ہونے تک اس محفوظ تھیلی میں رہتا ہے۔ بڑا ہونے پر بچہ تھیلی چھوڑ کر خود غذا کی تلاش میں نکل جاتا ہے۔ ماہرین کی رائے کے مطابق 12 سے 17 مہینے تک بچہ اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے۔ اس کے بعد جنگل کی خوراک پر ہی وہ پھلتا پھولتا ہے۔ عام طور پر نر کنگارو سرخ رنگ کے ہوتے ہیں جبکہ مادہ کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ سر چھوٹا، کان بڑے اور کھڑے ہوتے ہیں۔ تھوتھنی مختصر ہوتی ہے۔ پیروں اور دم پر بال نرم وملائم ہوتے ہیں۔ سارا جسم اون سے ڈھکا رہتا ہے۔ اگلے پیروں کی بہ نسبت اس کے پچھلے پیر بہت مضبوط ہوتے ہیں۔

تمھیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جانوروں کے اکثر جانکار کنگارو کی دم کو اس کا پانچواں پیر کہتے ہیں۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بناوٹ کے لحاظ سے کنگارو کی دم گول، موٹی اور مضبوط ہوتی ہے۔ دم جب زمین پر ٹک جاتی ہے تو اس بھاری بھرکم جانور کو سہارے کا کام دیتی ہے۔ اس طرح

چہرے کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے سرخ کنگارو بھورے کنگارو سے لمبے ہوتے ہیں۔ ان کے اگلے پیر لمبے ہوتے ہیں۔ عام طور پر کنگارو کی اونچائی تقریباً دو میٹر ہوتی ہے۔ ان کا وزن 90 کلوگرام کے آس پاس ہوتا ہے۔ کنگارو کے بچے پیدائش کے وقت چار سے چھ انچ لمبے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے بچے کو پیٹ کے اوپر

آسٹریلیا کا قومی جانور کنگارو ہی نہیں، خود آسٹریلیا بھی اپنے آپ میں دنیا کا عجیب وغریب ملک ہے۔ لاکھوں سال تک یہ دنیا کے پانچ براعظموں سے کٹا رہا۔ یہ واحد ملک ہے جو خود ایک براعظم کہلاتا ہے۔ چاروں طرف سمندروں سے گھرے ہوئے اس براعظم میں جانوروں اور درختوں وغیرہ کی نشوونما اور ارتقا یعنی Evolution کا انداز بھی باقی دنیا سے الگ رہا ہے۔ اسی لیے یہاں ایسے پرندے بھی ہیں جو انڈے کی بجائے بچہ جنتے ہیں اور بچے کو دودھ پلاتے ہیں اور ایسے چوپائے بھی جو انڈے دیتے ہیں اور بچے کو کچھ نہیں پلاتے۔ اوپر تصویر میں آپ دودھ پلانے والے ایک جانور mammal کو دیکھ سکتے ہیں جو Echidna کہلاتا ہے مگر یہ دنیا بھر کے mammals کی طرح بچے نہیں دیتا بلکہ انڈے دیتا ہے اور پھر ان ہی انڈوں سے نکلنے والے بچوں کو دودھ پلا کر بڑا کرتا ہے۔

ہندوستان سے آسٹریلیا کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ کروڑوں سال پہلے دونوں ایک ہی زمینی پلیٹ پر ہوا کرتے تھے لیکن بعد میں الگ ہو گئے اور ہندوستانی پلیٹ ایشیا سے جا ٹکرائی۔ اس عظیم ٹکراؤ نے ہی ہمالیہ کو جنم دیا۔ ایشیا سے ٹکراؤ والی زمین اوپر اٹھتی گئی اور آخر کار پہاڑوں میں تبدیل ہوگئی۔ اس زمین، بلکہ پہاڑ کا اوپر اٹھنا آج بھی جاری ہے۔ **ادارہ**

کنگارو کی دم جسم کے توازن کو برقرار رکھنے میں بھی بہت مدد کرتی ہے اور اسے گرنے نہیں دیتی۔ نر کنگارو، مادہ کنگارو سے بڑے ہوتے ہیں۔

کنگارو سبزی خور ہوتے ہیں۔ گھاس، پتے، پھل، پھول وغیرہ ان کی خوراک ہیں۔ کنگارو کی مرغوب غذا، آسٹریلیا کی عمدہ گھاس ہوتی ہے۔ یہ گائے بیلوں کی طرح جگالی کرنے والا جانور ہے۔ بعض کنگارو درختوں پر گزر بسر کرتے ہیں۔ اس قسم کے کنگارو شجری یعنی درختوں پر رہنے والے کہلاتے ہیں۔ ان کی غذا درختوں کے پتے اور شاخیں ہوتی ہیں۔

کنگارو کے چلنے کا انداز بھی نرالا ہوتا ہے۔ چلتے ہوئے اور گھاس چرتے ہوئے اپنے چاروں پیروں کو کام میں لاتا ہے۔ جسم کا وزن اگلے پیروں اور دم پر پڑتا ہے اور پچھلے پیر آگے کی طرف جھولتے ہیں۔ ایسے موقع پر کنگارو کی چال دیکھنے میں بھدی ضرور کہی جائے گی لیکن اس کی یہ اچھل کود بڑی پیاری بھی لگتی ہے۔ یہاں یہ بات ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ جب کنگارو تیز چلتا ہے تو صرف پچھلے پیروں کو استعمال کرتا ہے

اور دم جسم کو توازن میں رکھنے میں کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ کنگارو عام طور پر چالیس سے ساٹھ کلومیٹر کی رفتار سے چھلانگ بھرتا یا دوڑتا ہے۔ لیکن اس کی رفتار ستر سے اسّی کلومیٹر تک بھی ہوجاتی ہے۔ کنگارو کبھی کبھی جھنڈ میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن انھیں جھنڈ میں رہنا پسند نہیں ہو۔

ویسے تو کنگارو امن پسند جانور ہے لیکن خطرات کی صورت میں اس کی بہادری قابل تعریف ہوتی ہے۔ اس کے دشمنوں میں انسان کے علاوہ جنگلی جانور جیسے بارہ سنگھے، جنگلی کتے، بھیڑیئے اور جنگلی چیلیں ہوتی ہیں۔ یہ اپنے پچھلے مضبوط پیروں سے دشمن پر لگاتار حملہ کرتا ہے جس کی وجہ سے حملہ آور کو پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ کنگارو ایک اچھا تیراک ہوتا ہے۔ چشمے اور تالاب کے کنارے کھڑا ہوجاتا ہے۔ جب کوئی شکاری کتا اس کے قریب پہنچتا ہے تو کتے کا سر پکڑ کر پانی میں کئی غوطے دیتا ہے یہاں تک کہ کتا مرجاتا ہے۔ اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر دوسرے شکاری کتے بھی وہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔

مادہ کنگارو ایک بچے اور کبھی کبھی دو بچوں کو بھی جنم دیتی ہے اور انھیں ڈھانپتے ہوئے اپنے پیٹ پر بنی لمبی تھیلی Pouch میں وہ پہنچادیتی ہے۔ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو ماں بچہ کو اسی تھیلی میں لیے پھرتی ہے۔ مادہ کنگارو کے چار پستان ہوتے ہیں۔ لیکن بچہ ایک یا دو سے ہی دودھ پیتا ہے۔ کنگارو انسان سے بہت جلد مانوس ہو جاتا ہے۔ سدھایا ہوا کنگارو سرکس میں مکے بازی Boxing کا خوب مظاہرہ کرتا ہے۔ تماشائی اس کی مکے بازی کا خوب مزا لیتے ہیں۔

کنگارو کا گوشت لوگوں کی پسندیدہ غذا ہے۔ آسٹریلیا، دنیا کے پچاس سے زیادہ ممالک کو کنگارو کا گوشت برآمد کرتا ہے۔ اس کی کھال کی بہت مانگ ہے جس سے اعلا قسم کے لباس بنتے ہیں۔ بڑے پیمانے پر شکار کیے جانے کی وجہ سے کنگاروؤں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے۔

□□

Mohd Aijaz
P O Harlakhi, Via, Umgaon Kothi, Madhubani-847240 (Bihar)

مظفر حنفی

بول ترے انمول ری مینا

آنکھ نچا کر
دم لہرا کر
کانوں میں رس گھول ری مینا
بول ری مینا بول ری مینا

”بھوک لگی ہے، بھوک لگی ہے
کھانا دے دو آپا جان!“
دانے کھا کر
موڈ میں آکر
گردن کر کے گول ری مینا
بول ری مینا بول ری مینا

”چپ ہوجاؤ، چپ ہوجاؤ
رونا بند کرو عدنان!“
پر پھیلا کر
چونچ اٹھا کر
آکر آسنسول ری مینا
بول ری مینا بول ری مینا

”مینا آئی مینا آئی
دروازہ کھولو فیضان!“
بول ترے انمول ری مینا
بول مری مینا بول ری مینا

دو سنڈے

حالت پتلی کر دی ہے
سردی جیسی سردی ہے
برف بدن میں بھر دی ہے
مرغی چاچی انڈے دو

آنے ہی والا ہے یار
جمہوریت کا تیوہار
لائیں گے غبارے چار
اور ترنگے جھنڈے دو

اس پر داؤں کراٹے کا
جھٹکا دھوبی پاٹے کا
ہاتھ اس کو زنّاٹے کا
میں تنہا مشٹنڈے دو

ایک اتوار سے کیا ہوگا
پھر مانگی ہے آج دعا
سن لے کاش اوپر والا
ہفتے میں ہوں سنڈے دو

Prof Muzaffar Hanfi D-10 Batla House New Delhi-110025

کامکس اسٹوری

بھولے بھالو کے کارنامے

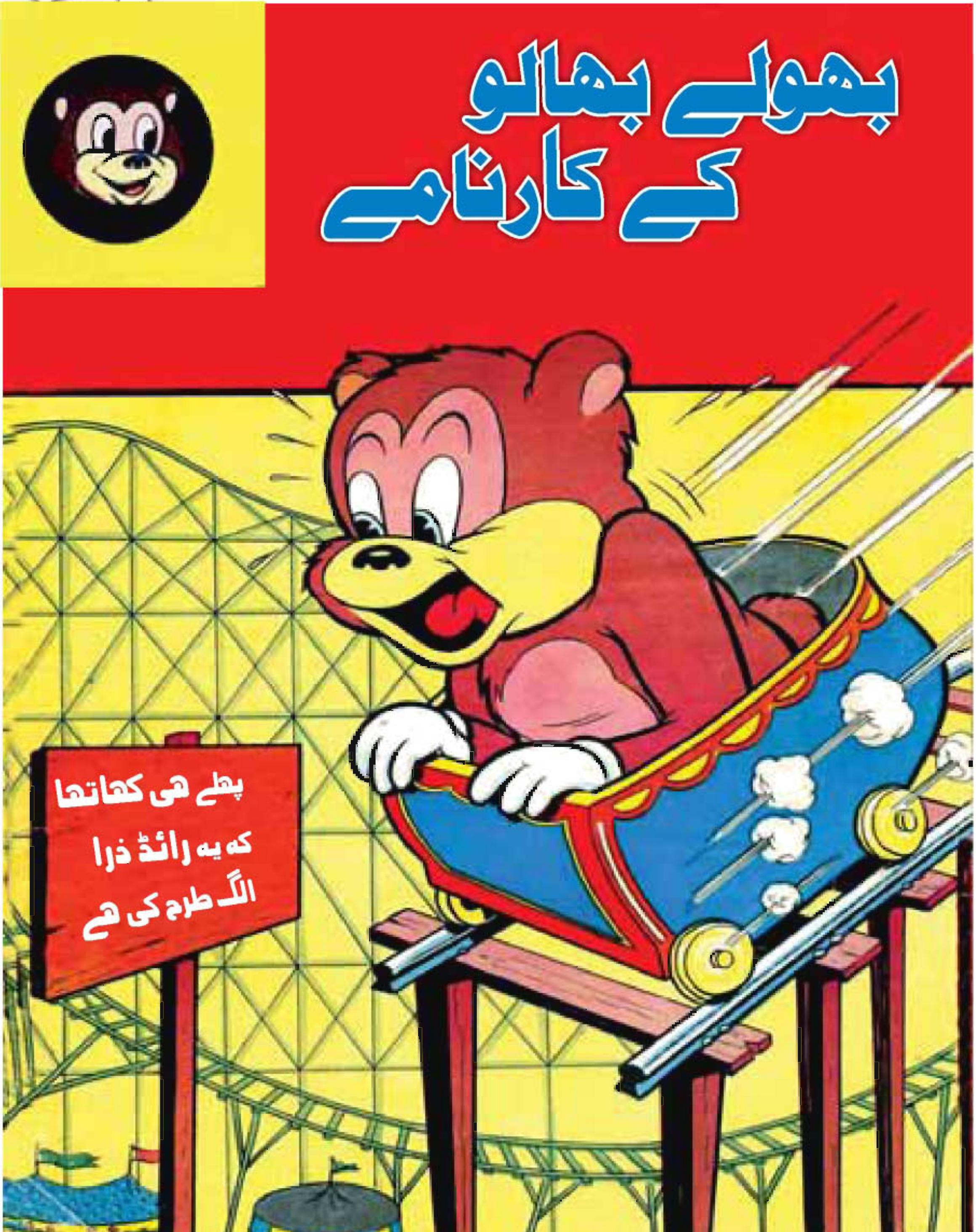

...اور بھولا امیر ہو گیا!
بھولا کہاں ہے، مجھے اس سے فوراً ملاؤ
بلف بلف!!
شاید تھوڑی دیر میں اس سے مل پاؤ وِلی ویزل، اور شاید اسے پورا دیکھ بھی سکو
بس کاغذ پر یہاں دست خط کر دو، میں تمھیں 100 ڈالر دے دوں گا
کچھ پتہ نہیں کیسے دست خط کر رہا ہوں، مگر سو ڈالر کے لیے غلط نہیں کروں گا
ہی ہی! تم نے اپنی زمین سو ڈالر مجھے بیچ دی ہے بھولے!!
ہی ہی!! میری زمین سو ڈالر کی ہے ہی نہیں ولی ویزل!

سوڈالر کی نہیں؟ ذرا یہ اخبار پڑھو
جنگل ٹاؤن کی پہاڑی زمین میں سونا ملا!!! تو یہ بات ہے!
اور چونکہ اب میں اس زمین کا مالک ہوں اس لیے باہر نکلو!
آؤچ!
مکار، ولی ویزل لعنت ہے تم پر
اہا! ہم ہیں راہی پیار کے ہم سے کچھ نہ بولیے
مرے دیش کی دھرتی سونا اگلے اگلے ہیرے موتی
1 گھنٹہ بعد
کم آن ڈئیر! میں جانتا ہوں ولی خود کو اور مصیبت میں ڈال لے گا!
بچاؤ!! میں باہر نہیں آسکتا
مجھے یہاں سے نکالو بھولے! میں تمھیں 50 ڈالر دوں گا!!
ٹھیک ہے سودا پکا ولی

وِلی میں ابھی رسّی لے کر آتا ہوں
اچھا ہوگا اسے وہیں رہنے دو! کچھ تو سبق ملنا چاہیے!
جلد ہی
دوست کی مدد کر کے مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے
باہر نکالنے کا شکریہ بھولے!
اور چونکہ تم پرانے دوست ہو اس لیے میرا تحفہ یہ ہے...
دیکھ کے بھولے!
میں تمھاری زمین پچاس ڈالر میں تمھیں واپس کر رہا ہوں
تمھیں پکا یقین ہے کہ اس زمین کے نیچے سونا ہے؟
اخبار میں لکھا تو تھا کہ پہاڑی زمین کے نیچے سونا ہے! اب وہ 50 ڈالر مجھے دو اور زمین پھر تمھاری ہو جائے گی
او کے! مگر تمھیں رسّی کے 50 ڈالر مجھے دینے ہوں گے سو حساب برابر ہوا
ہم م! بہت اندھیرا ہے۔ مجھے تو کوئی سونا نظر نہیں آتا!
ہی ہی! مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے

کیوں نہ تم خود ہی نیچے جا کر دیکھ لو!
آؤچ! ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں
آآہ!!
مگر یہاں اب بھی بہت اندھیرا ہے ولی
میں ٹارچ بھیجتا ہوں میرے دوست...
ہائے!...
ٹھک!
ہی ہی! کچھ سونا دکھائی دیا بھولے؟
نہیں!
مجھے تو یہاں بس تیل ہی تیل مل رہا ہے!
ارے نہیں...

Buster Bear سے ماخوذ/ترجمہ: شبنم پروین

خاور حسن

سیر کر دنیا کی غافل!
یہ ہے قاہرہ

قاہرہ مصر کی راجدھانی ہے جسے انگریزی میں Cairo کہتے ہیں۔اس کا سرکاری نام 'القاہرہ' ہے جس کا مطلب ہے 'شکست دینے والا' یا 'جیتنے والا'۔ مصر کے کئی لوگ اس شہر کو 'کاریو' اور 'ام الدنیا' کے ناموں سے بھی جانتے ہیں۔ 'ام الدنیا' کا مطلب 'دنیا کی ماں' ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مصر کے لوگوں کے لیے یہ شہر کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مصر کے دوسرے شہروں مثلاً اسکندریہ یا ممفس جتنا قدیم نہیں ہے جو مختلف زمانوں میں مصر کے صدر مقام یا راجدھانی رہ چکے ہیں۔ چوتھی صدی میں جب ممفس کی اہمیت گھٹنے لگی تو مشرق میں دریائے نیل کے کنارے ایک نئی آبادی بسنے لگی اور بعد میں یہیں قاہرہ شہر بن گیا جس نے مصر کی راجدھانی کی حیثیت اختیار کرلی۔

لیکن مصر کی راجدھانی کا نام ہمیشہ 'قاہرہ' نہیں رہا۔ اس کا مصری نام 'خیرے-اوہے Khere-Ohe' تھا اسی سے لفظ Cairo بنا ہے۔ یعنی جس طرح عربی میں ملک کا نام مصر اور مغربی زبانوں میں Egypt ہے اسی طرح راجدھانی کے بھی دو نام ہیں۔ عربی میں قاہرہ اور مغرب میں Cairo۔ اس لفظ کا مطلب ہے 'جنگ کی جگہ'۔ دراصل پرانے زمانے میں مصر کے لوگوں کا ماننا تھا کہ یہاں دیوتاؤں کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اسی لیے وہ اسے 'جنگ کی جگہ' کے نام سے جانتے تھے۔ اس شہر کا قاہرہ نام تب پڑا جب اسے نئے سرے سے 969 میں جوہر الصقلی نے بسایا۔ اس کے بعد یہاں اسلامی عمارتوں کی تعمیرات ہوئیں اور بہت سی اسلامی عمارتوں کے ہونے کی وجہ سے قاہرہ کو اب 'ہزار میناروں کا شہر' بھی کہا جاتا ہے۔

قاہرہ نہ صرف مصر کی راجدھانی ہے بلکہ یہ مصر کا اور درحقیقت مشرق وسطیٰ Middle East کے خطے کا بھی سب سے بڑا شہر ہے۔ براعظم افریقہ میں قاہرہ سے بڑا شہر صرف نائیجیریا کا شہر لاگوس ہے۔ اس طرح افریقہ کے لوگوں کے لیے قاہرہ کی اہمیت براعظم کا دوسرا بڑا شہر ہونے کی وجہ سے ہے اور دنیا کے لیے اس کی اہمیت اس کی پرانی تہذیب اور قدیم عمارتوں کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر آپ یہاں مصری اہرام Pyramid اور ابوالہول کے مجسمے Phoenix جیسی ہزاروں سال پرانی تعمیرات دیکھنے کی خواہش رکھتے ہوں جن کے لیے مصر پوری دنیا میں مشہور ہے تو آپ کو مایوسی ہوگی، کیونکہ یہ شہر مشکل سے ایک ہزار برس ہی پرانا ہے اور مصر میں اسلامی حکومت شروع ہونے بعد وجود میں آیا ہے۔ اس لیے یہاں کی زیادہ تر تاریخی عمارتیں ان ہی

کے دور کی یادگار ہیں، جن میں مسجدیں خاص ہیں۔اہرام وغیرہ یہاں سے کافی دور دوسرے مقامات پر ہیں۔وہاں پھر کبھی چلیں گے فی الحال قاہرہ کی سیر کرتے ہیں۔

مسجد عمرو بن العاص:

قاہرہ کی مسجد عمرو بن العاص نہ صرف مصر بلکہ پورے افریقہ میں تعمیر کی جانے والی پہلی مسجد ہے۔اس مسجد کی تعمیر مصر کے فسطاط شہر میں 641 سے 642 کے درمیان ہوئی تھی مگر آج اس کی پرانی عمارت کا کچھ بھی باقی نہیں۔دراصل اس کی تعمیرات اور اسے سجانے کا سلسلہ رک رک کر صدیوں تک جاری رہا اور اب یہ جہاں ہے، وہ جگہ پرانا قاہرہ کہلاتی ہے۔اسے مسجد فتح، مسجد عتیق اور تاج الجوامع بھی کہا جاتا ہے اور اس میں آج بھی نماز ہوتی ہے۔

مسجد احمد بن طولون:

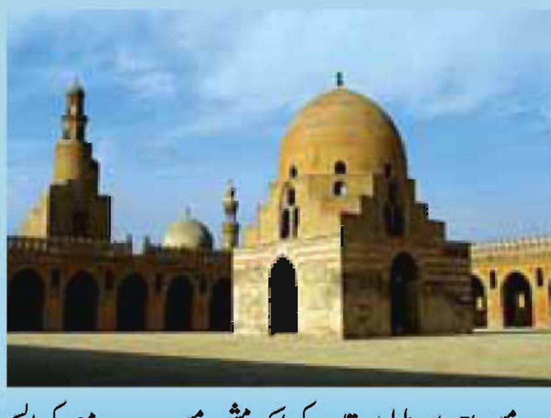

مسجد احمد بن طولون قاہرہ کی ایک مشہور مسجد ہے۔یہ مصر کی ایسی سب سے پرانی مسجد ہے جو اپنی اصلی حالت میں آج بھی موجود ہے۔ 876 میں اس کی تعمیر ہوئی تھی۔مٹی کی اینٹوں سے بنی یہ مسجد رقبے کے لحاظ سے قاہرہ کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ایک مینار اور دو گنبدوں والی اس مسجد کے منبر میں لکڑی کا جو کام کیا گیا ہے، وہ بے حد حسین ہے۔

محمد علی مسجد:

محمد علی مسجد بھی قاہرہ کی ایک مشہور مسجد ہے۔اس کی تعمیر میں 33 برس لگے۔1824 میں اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی اور 1857 میں مکمل ہوئی۔اس کے معمار ایک مصری تھے مگر وہ ترکی کے شہر استنبول میں رہتے تھے چنانچہ اسے انہوں نے ترکی کی مشہور Nuruosmaniya مسجد کے ماڈل پر بنایا جبکہ Nuruosmaniya مسجد ترکی کے ہی جیا صوفیہ Hagia Sophia کے نقشے پر بنائی گئی تھی۔قاہرہ میں اس مسجد کے علاوہ بھی کئی مشہور مسجدیں ہیں جو عمارتی فن کا نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔ان میں سلطان حسن مسجد اور ازہر مسجد شامل ہیں۔

ازہر یونیورسٹی:

ازہر یونیورسٹی، جسے عربی میں 'جامعۃ الازہر' کہتے ہیں، دنیا کی قدیم ترین یونی ورسٹیوں میں سے ایک ہے۔قاہرہ میں اس کی تعمیر 970 میں ہوئی تھی۔ یہ اعلیٰ تعلیم کی ڈگری دینے والی دنیا کی دوسری سب سے پرانی یونی ورسٹی ہے۔دنیا کی پہلی یونی ورسٹی ہمارے ملک میں بہار کے شہر نالندہ میں بنائی گئی تھی جو آج نالندہ یونی ورسٹی کہلاتی ہے۔جامعہ ازہر دراصل ایک مذہبی یونیورسٹی تھی جس میں پہلے قرآن،

قاہرہ کا عجائب گھریا میوزیم سب سے قابلِ دید جگہ ہے۔کوئی قاہرہ جائے اور مصری میوزیم نہ دیکھے تو جان لیجیے اس نے بہت کچھ نہیں دیکھا، کیونکہ اس میوزیم میں رکھی چیزوں کو دیکھ لینے کا مطلب قدیم مصر کی ایک جھلک دیکھ لینا ہے۔اس میں پرانے مصر کی چیزوں کا کافی اچھا کلکشن ہے۔ اس میں سوالاکھ نادر چیزیں دیکھی جا سکتی ہیں جن میں توتن خامنTutankhamun، آمنم اوپہ اور پسوسنس کیم جیسے مصر کے حکمرانوں یا بادشاہوں کے سونے کے ماسک، پرانے مصریوں کے دیوتاؤں کی مورتیاں اور دیگر چیزیں شامل ہیں۔مصر کے

قاہرہ میوزیم میں چار ہزار سال پہلے کے کسی انسان کی کیمیائی مسالوں سے محفوظ یعنی حنوط کی گئی لاش جسے انگریزی میں میMumy کہتے ہیں۔نیچے فرعون توتن خامن کی ممی کے چہرے پر رکھا ہوا سونے کا چہرہ، یہ چہرہ اور لاش بیسویں صدی میں انگریزوں کی ایک ٹیم نے اہرام کے اندر سے ڈھونڈ نکالی تھی، جس سے پوری دنیا میں ہلچل مچ گئی تھی!

شرعی قوانین، منطق اور عربی گرامر ہی کی تعلیم دی جاتی تھی مگر 1961 کے بعد غیر مذہبی موضوعات کی بھی تعلیم دی جانے لگی۔ آج ازہر یونیورسٹی عربی ادب اور اسلامی تعلیمات میں ڈگری حاصل کرنے کا ایک اہم سینٹر ہے۔ اس کی لائبریری مصر کی نیشنل لائبریری اینڈ آرکائیوز کے بعد دوسری سب سے اہم لائبریری سمجھی جاتی ہے۔

قاہرہ میوزیم:▼

قدیم ترین حکمراں فرعون Pharaoh کہاتے تھے۔ مصری میوزیم 1902 میں قائم کیا گیا تھا۔ اس میوزیم کو قاہرہ میوزیم بھی کہتے ہیں۔

قاہرہ مصر میں فلمی صنعت کا بھی ایک بڑا مرکز ہے۔ پوری عرب دنیا میں سب سے زیادہ فلمیں یہیں بنتی ہیں اور یہی عرب کا سب سے پرانا فلمی مرکز بھی ہے۔ یہاں 1896 سے خاموش فلمیں بننے لگی تھیں لیکن پہلی فیچر فلم 1927 میں بنی جس کا نام لیلیٰ تھا۔

قلعہ صلاح الدین:▲

یہ قاہرہ کا ایک مشہور قلعہ ہے۔ اس میں ایک مسجد اور میوزیم بھی ہے۔ یہ قلعہ جس جگہ ہے وہاں سے پورے قاہرہ کا نظارہ کافی اچھا لگتا ہے، اس لیے قاہرہ آنے والے سیاح یہاں ضرور جانا چاہتے ہیں۔ صلاح الدین اور اس کے بھائی شاہ العادل نے یہ عالیشان قلعہ ایک پہاڑی پر بنوایا تھا جہاں سے پورا قاہرہ نظر آتا تھا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کے حملے پر بھی یہاں سے نظر رکھی جا سکتی تھی۔

ہینگنگ چرچ:◄

ہینگنگ چرچ قاہرہ کا عیسائیوں کا ایک مشہور عبادت گھر ہے۔ اس

کا بس نام ہی 'ہینگنگ چرچ' ہے مگر یہ کوئی جھولتا ہوا چرچ نہیں ہے۔ جس جگہ یہ بنایا گیا تھا، اس جگہ کی مناسبت سے اس کا یہ نام پڑ گیا۔ کہیں لکھا ہے کہ اس کی تعمیر 3 عیسوی میں ہوئی تھی اور کہیں لکھا ہے کہ اسے 4 عیسوی میں بنایا گیا۔ لیکن اتنا طے ہے کہ یہ مصر کا کافی پرانا چرچ ہے۔ یہ جہاں واقع ہے، وہ جگہ پرانا قاہرہ کہلاتی ہے۔

خان الخلیلی: ▲

یہاں کا چھ سو سال پرانا، کافی بڑا اور مشہور بازار ہے۔ اس میں پرانی چیزوں، زیورات اور مختلف طرح کی دکانیں ہیں۔ ریستوران اور کافی ہاؤسز بھی ہیں۔ ایک کافی ہاؤس تو 242 سال پرانا ہے۔ قاہرہ جانے والے لوگ یہ بازار دیکھنے اور اس میں خریداری کرنے ضرور جاتے ہیں۔ خان الخلیلی کے علاوہ 'ٹینٹ مارکیٹ' قاہرہ کا ایک اور پرانا اور اہم بازار ہے۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قاہرہ کئی حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ مثلاً، پرانا قاہرہ اور اسلامی قاہرہ۔ کوپٹک Coptic قاہرہ، پرانے قاہرہ کا ہی ایک حصہ ہے۔ پرانے قاہرہ میں پانچ بڑے چرچ، مصر کی سب سے پہلی مسجد، یہودیوں کی عبادت گاہ اور کوپٹک عیسائیوں کے میوزیم وغیرہ ہیں۔ اس طرح پرانا قاہرہ مذہبی اور سیکولر مصر کا منظر پیش کرتا ہے۔ یہاں کا بے بی لون قلعہ بھی کافی مشہور ہے، جس سے قاہرہ میں عمارتوں کی شروعات ہوئی تھی۔

قاہرہ کو پرانا شہر بھی کہا جا سکتا ہے اور نیا شہر بھی۔ ہینگنگ

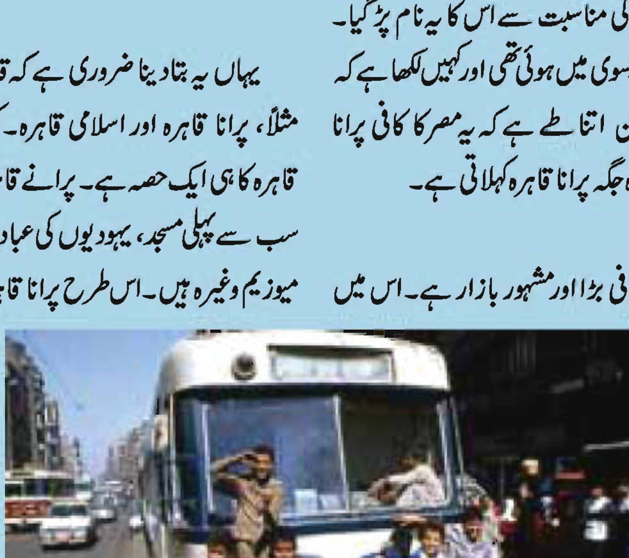

◄ قاہرہ کی میٹرو ٹرام سروس جو عوام میں بے حد مقبول ہے

▲ دریائے نیل کے دونوں طرف آج کا نیا قاہرہ

چرچ، مسجد عمرو بن العاص، معبد بن عذرا اور ازہر یونیورسٹی کو دیکھنے پر ایسا لگتا ہے کہ قاہرہ ایک پرانا شہر ہے لیکن شاپنگ مال، نئی عمارتوں اور میٹرو ٹرینوں اور ان کے اسٹیشنوں کو دیکھنے پر ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک نیا شہر ہے۔ سب سے زیادہ سواریاں لے جانے کے معاملے میں براعظم افریقہ میں قاہرہ میٹرو دوسرے نمبر پر ہے۔ یہ سب سے زیادہ سواریاں لے جانے والی دنیا کی 15 ویں بڑی میٹرو سروس بھی ہے۔ قاہرہ میٹرو میں ہر برس ایک ارب سے زیادہ لوگ سفر کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ روزانہ اوسطاً ساڑھے ستائیس لاکھ لوگ سفر کرتے ہیں۔

آج کے نوجوان قاہرہ کو اس کے تحریر اسکوائر یا تحریر چوک کی وجہ سے جانتے ہیں۔ پچھلے چند برسوں میں قاہرہ کے حالات ٹھیک نہیں رہے۔ مصر کے لوگ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہندوستان، امریکہ اور دیگر جمہوری ممالک کے لوگ انتخابات میں اپنا لیڈر چنتے ہیں، وہ بھی چنیں۔ اسی لیے انہوں نے مصر میں جمہوریت بحال کرنے کے لیے تحریر اسکوائر پر مصر کے حکمراں حسنی مبارک کے خلاف مظاہرہ کیا۔ حسنی مبارک کے ہٹنے کے بعد محمد مرسی صدر چنے گئے اور اب مصر کے صدر عبدالفتاح السیسی ہیں۔ قاہرہ اب پرامن ہے اور دنیا بھر کے لوگ یہی چاہتے ہیں کہ قاہرہ پرامن رہے، کیونکہ گزرے ہوئے وقت اور اس میں بنی چیزوں سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لیے قاہرہ کو دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مصر کے گزرے ہوئے شاندار ماضی کی تصویر دیکھ لینا۔ لیکن اس دوران تحریر اسکوائر مصر میں جمہوریت کی پہچان بن گیا ہے اور مصری نوجوانوں کے اس کارنامے کو بھی دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔ □

Md Khawer Hasan
E-11/75A, Khirki Extension New Colony,
Malviya Nagar New Delhi-110017

سلام بن رزاق

اک تھا بچپن...

ماں اور چوری

بچپن انسان کی زندگی کا سب سے خوبصورت دور ہوتا ہے جہاں فکر و رنج کا کوئی گزر نہیں۔ بچوں کی دنیا پھولوں، تتلیوں، کھلونوں اور مٹھائیوں کی دنیا ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑا آدمی اپنے بچپن کی سنہری یادوں کو دل سے بھلا نہیں سکتا۔ اسے جب بھی اپنا بچپن یاد آتا ہے، دل میں ایک گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔

پیارے بچو! بچپن کے نام پر میرے دل میں بھی گدگدی ہو رہی ہے اور بچپن کی کتنی ہی پیاری پیاری باتیں یاد آ رہی ہیں۔ میرے پاس بچپن کے ڈھیر سارے قصے ہیں جنہیں سنانے لگوں تو آپ کے اس ننھے منے خوبصورت پیارے رسالے کے صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ اس لیے میں آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سنانے پر اکتفا کروں گا جو دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

میری عمر اس وقت کوئی پانچ برس کی رہی ہوگی۔ ہمارے گھر سے ذرا فاصلے پر میری پھوپھی کا مکان تھا۔ پھوپھی مجھے بہت چاہتی تھیں۔ میں اکثر کھیلنے وہاں چلا جاتا۔ یوں تو وہاں کھیلنے کے لیے کئی کھلونے تھے۔ چابی سے چلنے والی موٹر، ڈرم بجاتا بندر، ناچ دکھاتا بھالو، اُڑنے والا گھوڑا... میں ان کھلونوں سے گھنٹوں کھیلتا رہتا۔ پھوپھی کے کمرے میں ایک سنگھار دان بھی تھا۔ سنگھار دان پر کنگھیاں، تیل کی شیشی، پاؤڈر کا ڈبہ، پن، کانٹے، ربن وغیرہ کے ساتھ چاندی کی ایک ڈبیہ بھی رکھی تھی۔ ڈبیہ نقشی دار اور بڑی خوبصورت تھی۔ مجھے نہیں معلوم وہ ڈبیہ پھوپھی کے کیا کام آتی تھی مگر وہ ڈبیہ مجھے اتنی اچھی لگتی تھی کہ کھلونوں سے کھیلتے کھیلتے اکثر میری نظر اس پر جا کر رک جاتی۔ بچپن میں اکثر بچوں کو تتلیاں پکڑنے کا شوق ہوتا ہے۔ مجھے بھی تھا۔ کبھی کبھی میں کسی تتلی کو پکڑ کر ماچس کی ڈبیہ میں بند کر لیتا۔ چاندی کی اس ڈبیہ کو دیکھ کر میں اکثر سوچتا۔ وہ ڈبیہ مجھے مل جائے تو میں کسی خوبصورت تتلی کو پکڑ کر اس میں بند کر لوں گا۔ آخر ایک دن موقع پا کر میں نے اس ڈبیہ کو اپنے نیکر کی جیب میں چھپا لیا۔ گھر لوٹتے ہوئے میں نے ڈبیہ کو کھول کر دیکھا۔ ڈبیہ میں سیاہ رنگ کی جیلی جیسی کوئی شئے بھری تھی۔ راستے میں ایک چھوٹا سا گڈھا پڑتا تھا جس میں گدلا پانی جمع رہتا۔ میں نے گڈھے کے کنارے بیٹھ کر اس پانی میں ڈبیہ کو دھونا چاہا... مگر یہ کیا...! اس جیلی جیسی گاڑھی شے کو ہاتھ لگاتے ہی وہ میری انگلیوں سے چپک گئی اور میرے ہاتھ کالے ہو گئے۔ میں نے کرتے کے دامن سے ہاتھ پونچھنا چاہا تو کرتا بھی کالا ہو گیا۔

میں رونی صورت بنائے گھر آیا۔ گھر والوں نے مجھے اس حال میں دیکھا تو سب گھبرا گئے۔ میں رونے لگا۔ امی میرے کپڑے بدلنے لگیں۔ تب نیکر کی جیب سے چاندی کی وہ ڈبیہ برآمد ہوئی۔ سارا بھید کھل گیا۔ دراصل اس ڈبیہ میں کاجل بھرا ہوا تھا جو دھونے کی کوشش میں مزید پھیل گیا۔ امّی نے مجھے دو طمانچے رسید کیے۔ پھوپھی کو اطلاع دی گئی۔ وہ دوڑی دوڑی آئیں۔ میرا حلیہ دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ امّی بہت خفا تھیں۔

سلام بن رزاق کی کئی کہانیاں آپ بچوں کی دنیا میں پڑھ چکے ہیں۔ کہانی کار کے طور پر اردو ادب میں ان کا بڑا نام ہے۔ اپنی کتاب 'شکستہ بتوں کے درمیاں' پر انھیں 2004 میں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ ملا ہے۔آپ 1941 میں پن ویل مہاراشٹر میں پیدا ہوئے۔ پورا نام شیخ عبدالسلام عبدالرزاق تھا۔1960 میں ہائی اسکول کیا۔اسکول ٹیچر بھی رہے ۔مراٹھی کہانیوں کے اردو ترجمے سے انھیں خود کہانیاں لکھنے کا شوق ہوا۔سچائی ہر بڑے انسان کی پہلی پہچان ہوتی ہے،اس کا اندازہ آپ کو ان یادوں سے ہوگا جو انھوں نے ہماری درخواست پر لکھی ہیں!

پھوپھی نے مجھے امّی کے عتاب سے بچایا۔خوب رگڑ رگڑ کر نہلایا۔ دھلے ہوئے کپڑے پہنائے اور امّی سے سفارش کی کہ مجھے معاف کر دیں۔

امّی نے کہا۔''میں اسے اس وقت معاف کروں گی جب یہ وعدہ کرے کہ آئندہ کسی پرائی چیز کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔''

میں نے روتے ہوئے وعدہ کر لیا۔ مجھے اس دن معلوم ہوا کہ کسی پرائی چیز کو دوسروں کی نظر بچا کر اٹھا لینا 'چوری' کہلاتا ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چوری کرنے سے نہ صرف ہاتھ پاؤں اور کپڑے کالے ہوتے ہیں بلکہ منہ تک کالا ہو جاتا ہے۔مزید یہ کہ دوسروں کے سامنے ذلیل بھی ہونا پڑتا ہے۔

بچو! بچپن کے دن تو ایسی ہی کھٹی میٹھی یادوں میں گزر گئے۔ بچپن کے بعد آیا لڑکپن... کھیلنے کودنے کے ساتھ لکھنے پڑھنے کے دن...میں بھی اسکول جانے لگا۔ ہمارے قصبے میں صرف ایک ہی پرائمری اردو اسکول تھا۔ میں کھیلنے کودنے میں تو بس یوں ہی سا تھا البتہ پڑھنے میں اچھا تھا۔ چہارم جماعت میں مجھے ضلع بورڈ کی طرف سے اسکالرشپ بھی ملی جو ساتویں جماعت تک جاری رہی۔ ہمارے قصبے میں کوئی اردو میڈیم ہائی اسکول نہیں تھا۔ساتویں کے بعد آگے کی تعلیم کے لیے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا۔ مجبوراً مراٹھی ہائی اسکول میں داخلہ لینا پڑا۔ میں آپ کو ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا۔ بچپن میں میری ماں سونے سے پہلے مجھے روز ایک کہانی سنایا کرتی تھی۔ جب میں اسکول میں داخل ہوا تو اسی زمانے میں میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اب مجھے کہانی کون سنائے؟ میں چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں پڑھ کر اپنا شوق پورا کرتا۔ مراٹھی اسکول میں داخلے کے بعد میں اردو کے ساتھ مراٹھی کی کہانیاں بھی پڑھنے لگا۔نویں جماعت کی زباندانی کی کتاب میں مراٹھی کے مشہور ادیب وی س کھانڈیکر کی ایک کہانی 'آئی' (ماں) شامل تھی۔ اس کہانی کو پڑھنے کے بعد مجھے ماں کی بہت یاد آئی۔ میں چپکے چپکے رویا بھی۔ پھر سوچا رونے سے کیا فائدہ...رونے سے مرنے والے لوٹ کر تو نہیں آتے۔ اسی وقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ کیوں نہ اس کہانی کو میں اپنے الفاظ میں اردو میں منتقل کر لوں۔ اس طرح ماں کی یاد کو ہمیشہ کے لیے اپنے لفظوں میں محفوظ کر لوں گا۔ بس پھر کیا تھا۔ میں نے اس مراٹھی کہانی کا ترجمہ شروع کر دیا۔ اور جب کہانی مکمل ہوئی تو اسے اردو کے ایک اخبار میں چھپنے کے لیے بھیج دیا۔ کہانی چھپ گئی۔اور پورے قصبے میں میرے نام کی دھوم مچ گئی۔

اس طرح ماں کی یاد سے میرے قلمی سفر کا آغاز ہوا اور یہ سفر آج تک جاری ہے۔ ◻

قسط وار داستان

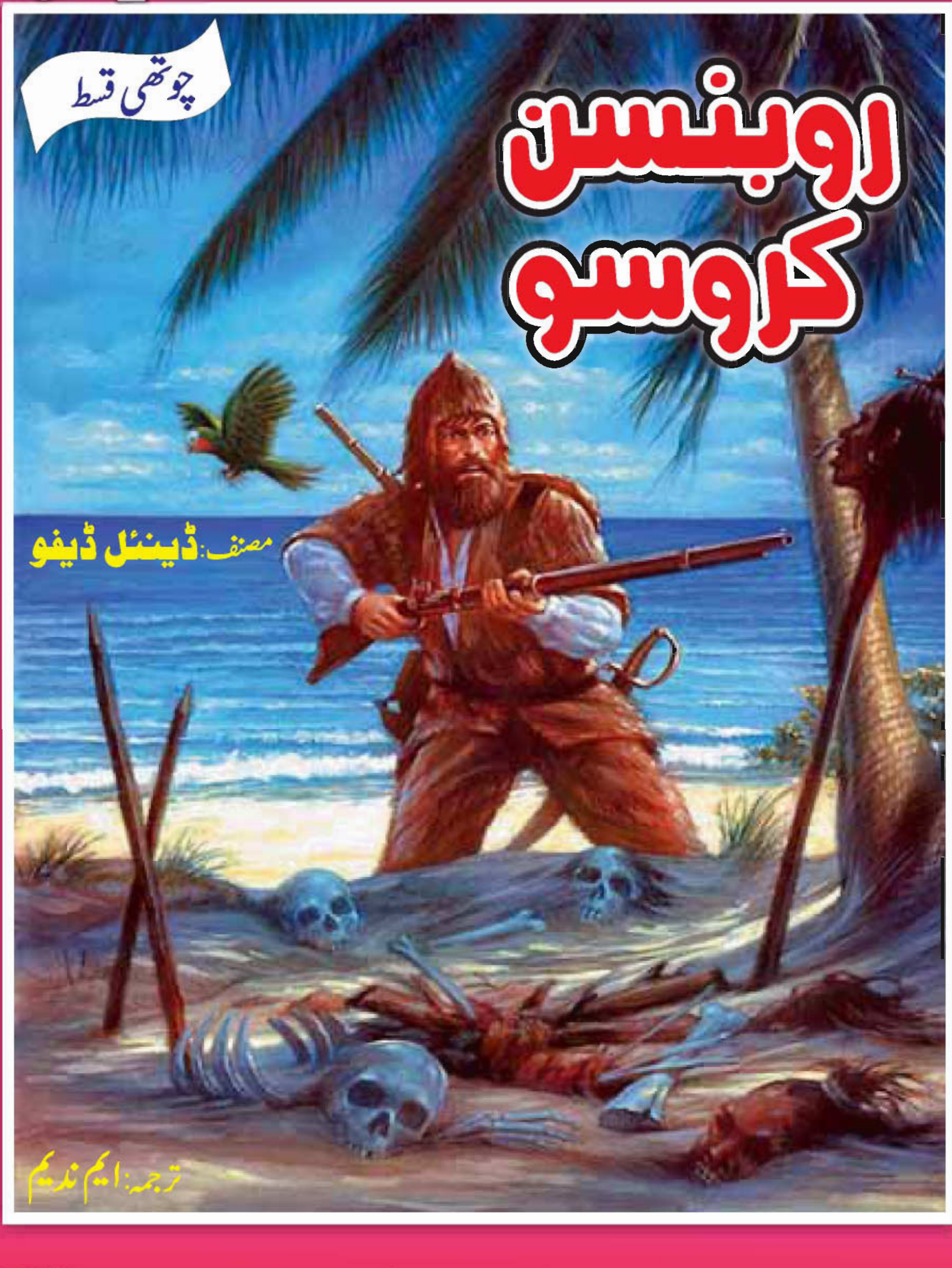

’رابنسن کروسو‘ انگریزی مصنف ڈینیل ڈیفو Daniel Defoe کا لکھا ہوا مشہور ناول ہے جو سب سے پہلے 25اپریل1719 کو چھپا تھا۔ مصنف کا نام اس میں رابنسن کروسو دیا گیا تھا جب کہ اصل میں یہ ڈیفو کے ناول کا خیالی اور مرکزی کردار کا نام تھا جو اپنی زندگی کے حیرت انگیز واقعات کو سچّا بتا کر اپنی داستان سناتا ہے۔ کتاب کا اصل نام کافی طویل تھا:

The Life and Strange Surprizing Adventures of Robinson Crusoe, Of York Mariner: Who lived Eight and Twenty Years, all alone in an un-inhabited Island on the Coast of America, near the Mouth of the Great River of Oroonoque; Having been cast on Shore by Shipwreck, wherein all the Men perished but himself. With An Account how he was at last as strangely deliver'd by Pyrates

پڑھنے والوں نے اسے سچی کہانی سمجھا لیکن یہ تمام تر خیالی قصوں کا مجموعہ تھا۔ بنیادی کہانی اسکاٹ لینڈ کے باشندے الیگزینڈر سیلکرک Alexander Selkirk کی زندگی سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی جو 1676 میں پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنے وقت کا مشہور ملاح تھا اور سمندر میں لاپتہ ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی سے متاثر ہو کر تشکیل دیے گئے کردار رابنسن کروسو کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ناول چھپنے کے لگ بھگ ڈھائی سو سال بعد 1966 میں بحرالکاہل کے اُس جزیرے ’ماسا تیرا‘ کا نام رابنسن کروسو رکھ دیا گیا جہاں سیلکرک چار سال تک رہا تھا۔ کتاب کا مصنف ڈینیل ڈیفو 1660 میں لندن میں پیدا ہوا اور 24اپریل 1731 کو اس کا انتقال ہو گیا۔ وہ بیک وقت ایک تاجر، مصنف، صحافی اور

جاسوس تھا۔ وہ ان مصنفوں میں شامل ہے جنھوں نے انگریزی میں ناولوں کی شروعات کی تھی۔ انگریزی ادب کے بہت سے جانکار ’رابنسن کروسو‘ کو انگریزی زبان کا پہلا ناول مانتے ہیں۔ ڈیفو بڑا ہی زود نویس مصنف تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں، ناول، رسالے، کتابچے وغیرہ لکھے جن کی تعداد 500 سے زیادہ ہے اور جرائم، نفسیات، سیاست، مذہب، جنتر منتر اور شادی بیاہ اس کی تحریروں کے چند موضوعات ہیں۔ ناول ’رابنسن کروسو‘ اس کی سب سے مشہور تصنیف ثابت ہوا جس پر کئی فلمیں بن چکی ہیں، دنیا کی بہت سی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور بے شمار کامکس اسٹرپ بنائے جا چکے ہیں۔ قومی اردو کونسل نے پہلی بار 1978 میں اس کی تلخیص اردو میں شائع کی جس کا ترجمہ جناب ایم ندیم نے کیا تھا۔ آیئے اس دل چسپ اور حیرت انگیز واقعات سے بھری ہوئی داستان کا قسط وار مطالعہ کرتے ہیں۔ اعزازی مدیر

اب تک آپ نے پڑھا: رابنسن کروسو اپنی کہانی سناتا ہے کہ وہ انگلینڈ کے یارک شہر میں 1632 کو ایک دولت مند تاجر کے گھر میں پیدا ہوا۔ سب سے چھوٹا بیٹا ہونے کی وجہ سے اسے باپ کا بڑا لاڈ پیار ملا۔ رابنسن بڑے ہو کر دنیا کی سیر کرنا چاھتا تھا لیکن والد کو یہ منظور نہ تھا۔ انہوں نے اسے اعلیٰ تعلیم دلائی مگر دنیا بھر میں گھومنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے بلوجود ایک دن وہ بچپن کے ایک دوست کے ساتھ دنیا کے سفر پر نکل پڑا جو اپنے والد کے ساتھ سمندری جہاز سے لندن جا رہا تھا۔ لیکن یکم ستمبر 1651 کو سفر کے پہلے ہی دن سے منحوس واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جہاز روانہ ہوتے ہی سمندری طوفان آگیا اور رابنسن اپنی زندگی سے مایوس ہو کر پچھتانے لگا کہ والدین کا کہنا نہ مان کر اس نے سخت غلطی کی ہے۔ یہ طوفان گزر گیا لیکن راستے میں پھر ایک طوفان آیا جس میں ان کا جہاز ڈوب گیا۔ وہ اور جہاز کے لوگ جان بچا کر مشکل سے یارمتھ شہر کے ساحل پر پہنچے۔ اس کے دوست کے

والد نے کہا کہ یہ سب رابنسن کی نحوست سے ہورہا ہے جو اپنے بیمار باپ کی اجازت لیے بغیر اس سفر پر آیا ہے۔ رابنسن یہ سننے کے بعد واپس گھر چلے جانا چاہتا تھا لیکن اسے باپ کا سامنا کرتے ہوئے شرم آرہی تھی۔ آخر وہ لندن پہنچا جہاں ایک سمندری تاجر اس کا دوست بن گیا۔ والد نے کچھ رقم رابنسن کے پاس لندن بھجوادی تھی جس سے اس نے سمندری سفر کا سامان خرید لیا۔ تاجر دوست کے ساتھ وہ گنی کے سفر پر گیا اور خوب منافع کے ساتھ بہت سا سونا جمع کر کے لندن واپس آیا۔لیکن یہاں اس کا دوست بیمار ہوکر مرگیا۔ اس نے منافع کا بہت سا حصہ دوست کی بیوہ کے پاس رکھا اور گنی کے ایک اور سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس بار وہ اور اس کے ساتھی جہازی لٹیروں کے ہتھے چڑھ گئے۔ ایک لٹیرے نے رابنسن کو اپنا غلام بنا لیا۔ مگر کچھ دن بعد رابنس شکار کے بہانے اس لٹیرے کے چنگل سے بچ نکلا۔ سمندر میں ایک جہاز کے نیک دل کپتان نے اس کی مدد کی اور وہ تجارتی سفر پر اسے اپنے ساتھ برازیل لے گیا۔ وہ چار سال برازیل رہا۔ وہاں وہ ایک شوگر فیکٹری بھی کھولنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے زیادہ رقم کی ضرورت تھی اس لیے لندن سے اپنے مرحوم تاجر دوست کی بیوہ سے اس نے اپنی جمع شدہ رقم میں سے ایک ہزار پونڈ کے عوض بہت سا سامان منگوا لیا۔اس نے گنّے اور تمباکو کی کھیتی کے گر بھی سیکھ لیے۔مگر اب وہ بے حد دولت مند بننے کے لالچ میں پڑگیا جس کا اسے بے حد نقصان اٹھا نا پڑا۔ ایک روز تین تاجروں نے آکر اسے لوگوں کو غلام بنا کر بیچنے کا دھندا کرنے کی صلاح دی اور کہا کہ گنی سے بہت سے غلام مل سکتے ہیں جنہیں بیچ کر خوب دولت کمائی جاسکتی ہے۔ وہ ان کی باتوں میں آگیا اور نیک دل کپتان دوست کو لے کر سمندری سفر پر نکل پڑا۔ اس بار بھی سفر کی تاریخ یکم ستمبر تھی اور سال 1659 کا تھاجس سے آٹھ سال پہلے وہ زندگی کے پہلے سمندری سفر پر نکلا تھا۔ تاریخ نے پھر اپنے آپ کو دوہرایا اور کیریبیائی ملکوں کے درمیان طوفان سے ان کے جہاز کو کافی نقصان پہنچا۔ ایک دن ان کا جہاز ریت میں دھنس گیا اور جان بچانے والی کشتی بھی الٹ گئی۔ سمندر کی بپھری ہوئی موجوں نے رابنسن کو ساحل پر لا پٹکا۔یہ ایک ویران جزیرے کا ساحل تھا۔رابنسن کی جان تو بچ گئی مگر جہاز تباہ ہو گیا تھاجو سمندر میں ایک چٹان کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ وہ کسی طرح جہاز پر پہنچا۔ مگروہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے سبھی ساتھی مر چکے تھے۔ جہاز سے وہ بہت سا کھانے پینے کا سامان گولہ بارود سونا چاندی نقدی اور دوسری بہت سی چیزیں ساحل پر لے آیا۔ چند روز بعد اس نے دیکھا تو جہاز غائب تھا۔ سمندری ہوا اسے بہا کر لے گئی تھی۔ کروسو جزیرے پر اکیلا رہ گیا۔ بس ایک کتا اور دو بلّیاں اس کے ساتھ تھیں جو وہ جہاز سے لایا تھا۔ اس نے بڑی محنت سے جزیرے پر اپنا گھر بنایا۔ میز کرسی تیار کیں۔ جہاز سے مرغیوں کا جو دانہ ساتھ لایا تھا اس دانے سے فصل اگانے کی کوشش شروع کردی۔ اب اسے جزیرے پر دس مہینے ہو گئے تھے۔ ایک دن وہ پورے جزیرے کی سیر کے لیے نکل پڑا۔ ایک جگہ پہاڑی پر اسے خوب پھل اور میوے ملے۔ جزیرے پرسال بھر اکیلے رہنے بعد اس نے وہاں کھیتی کرنے کی ٹھانی۔ پہلے کچھ خاص کامیابی نہیں ملی لیکن اگلی فصل کے بعد کھیتی پھلنے پھولنے لگی۔ اس نے دھان اور جو اگائے۔ تب اسے برتنوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے تیز آگ پر مٹی کے برتن بنائے۔ غلہ رکھنے کے لیے غلے کی کوٹھیاں تیار کیں۔جزیرے پر پانچ سال گزرنے کے بعد ایک چھوٹی کشتی تیار کی جسے ڈونگی کہتے ہیں۔اس نے ڈونگی میں سوار ہو کر جزیرے سے کہیں دور جانے کی کوشش کی لیکن سمندر کی اونچی لہروں اور بھنور نے اسے آگے نہیں بڑھنے دیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر واپس آگیا۔ اس نے دوبارہ سمندر میں جانے کا خیال چھوڑ دیا۔ کمہاروں کا چاک بنا کر وہ اب اچھے برتن بنانے لگا۔ اس نے ایک طوطا اور کتا بھی پال لیا۔ایک دن اس نے اپنے لیے ایک حقہ بھی تیار کیا جس سے اسے بے حد خوشی ہوئی اور جزیرے پر اس کا وقت مزے میں گزرنے لگا۔ مگرکئی بڑی مصیبتیں اس کا انتظار کررہی ہیں۔ اب آگے پڑھیے:

میں نے بکریاں پالیں

مجھے اس ویران جزیرہ میں رہتے ہوئے اب پورے گیارہ سال گزر چکے تھے۔ اب میرے پاس بہت کم بارود رہ گیا تھا۔ بکریاں پالنے کا خیال میرے ذہن میں تھا، لیکن اب تک میں ٹالتا رہا تھا۔ مگر اب مجھے بارود کے ختم ہوجانے کا خوف تھا اور بغیر بارود کے شکار ناممکن تھا۔اس لیے میں نے بکریاں پکڑنے کا ارادہ کیا اور ایک طرح کا جال بنایا تاکہ اس کی مدد سے بکریوں کو پکڑسکوں۔اس جال کو میں نے جنگل میں بکریوں کے چرنے کی جگہ پر بچھایا لیکن کئی دن تک اس میں ایک بھی بکری نہیں پھنسی۔تب میں نے گڑھے کھودے اور اس کے اوپر گھاس پھوس بچھا کر اس کو ڈھک دیا اور اس پر جو کی بالیاں ڈال دیں اس ترکیب سے میں نے تین بکری کے بچے پکڑے۔ایک بکری بھی پکڑی تھی لیکن وہ مارنے کو دوڑتی تھی اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔

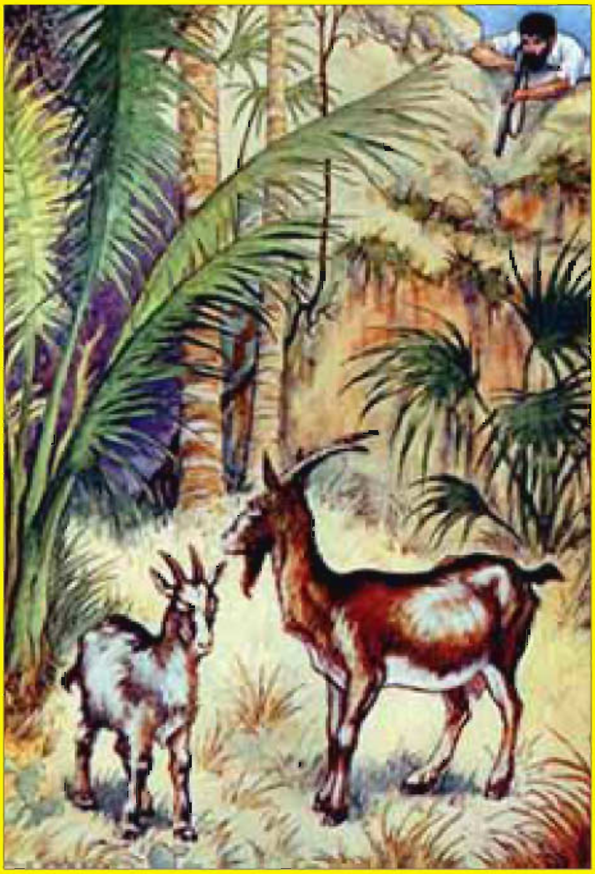

میں نے بکری کے بچوں کو بہت توجہ کے ساتھ پالا۔ پہلے دو روز تک ان بچوں نے کچھ نہیں کھایا لیکن بعد میں وہ کھانے لگے اور پھر تو نئے دھان کھا کھا کر خوب موٹے ہوگئے۔اب میں نے اپنی ساری توجہ اور محنت بکریوں کو پالنے میں لگادی تھی کیوں کہ گوشت میری صحت اور زندگی کے لیے بہت ضروری غذا تھی۔

میں بکریاں پالنے کے معاملے میں ذرا ناتجربہ کار تھا۔ چنانچہ شروع شروع میں ایسا ہوتا تھا کہ میں بکریاں پالتا اور جب وہ مجھ سے مانوس ہوجاتیں تو میں ان کو چارہ کھانے کے لیے جنگل میں چھوڑ دیتا تھا۔ وہ کم بخت جنگلی بکریوں کے ساتھ مل کر پھر جنگلی ہوجاتی تھیں اور مجھ سے دور بھاگنے لگتی تھیں۔میں نے یہ دیکھ کر بکریوں کے لیے ایک باڑا بنانے کا ارادہ کیا۔ یہ کام اکیلے ایک آدمی کے بس کا نہ تھا لیکن باڑے کے بغیر میری ساری محنت بے کار تھی اس لیے میں نے ایسی مناسب جگہ کی تلاش کر دی جہاں سایہ اور دھوپ بھی ہو اور وہ جگہ محفوظ بھی ہو۔خوش قسمتی سے مجھے ایک بہت اچھی جگہ مل گئی۔اس جگہ پانی کے تین چشمے تھے۔گھاس اور جھاڑیاں بھی تھیں اور یہاں دھوپ بھی آتی تھی۔ اس کے علاوہ وہاں پر سایہ دار پیڑ بھی تھے۔ یہ زمین کا حصہ کافی لمبا اور چوڑا بھی تھا۔ میں نے تقریباً سو ہاتھ لمبا اور چوڑا ایک گھیرا بنایا۔اس کو بنانے میں مجھے تین مہینے لگے۔یہ اتنا بڑا تھا کہ کچھ برسوں کے بعد جب بکریوں کی بہت بڑی تعداد ہوگئی تو وہ اس میں آسانی سے آجاتی تھیں۔

دو سال میں تین بکریوں سے بارہ بکریاں ہوئیں اور تیسرے سال جب میں نے حساب لگایا تو میرے پاس پینتالیس بکریاں تھیں۔ ان میں وہ بکریاں شامل نہیں تھیں جو میں ذبح کرکے کھا چکا تھا۔

بکریاں پالنے سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ گوشت کے علاوہ مجھے دودھ اور مکھن بھی مل جاتا تھا۔ میں نے پہلے تو کبھی بکریاں پالی نہیں تھیں اور نہ ہی مکھن وغیرہ نکالنا جانتا تھا لیکن اب یہ ہنر مجھے اپنے آپ آ گیا تھا۔ میں اس پاک پروردگار کا شکر ادا کرتا تھا جس نے مجھے یہ ساری نعمتیں بخشی تھیں۔

میں اپنے آپ کو اس ٹاپو کا راجا خیال کرتا تھا جس کا کوئی مخالف اور دشمن نہ تھا۔ میں جب کھانے کی میز پر بیٹھتا تھا تو میرا دل خوشی سے باغ باغ ہوجاتا تھا اس وقت میرے مصاحب بھی میرے چاروں طرف بیٹھے ہوتے تھے۔ طوطے کو یہ اجازت تھی کہ وہ وزیر کی طرح مجھ سے بات چیت کرے، میرا بوڑھا کتا میرے دائیں طرف بیٹھا کرتا تھا۔ دو بلیاں ہوتی تھیں ایک میز کے ایک طرف اور دوسری بلی میز کے دوسری طرف بیٹھا کرتی تھی۔ یہ سب مجھ سے روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کی امید لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ یہی میرے ساتھی اور دوست تھے۔ میرے پاس بہت ساری چیزیں تھیں، لیکن ایک انسان کی کمی تھی جس کی صورت کو میں ترستا رہتا تھا۔

میرے پاس اب بھی میری چھوٹی سی ڈونگی تھی، لیکن میں اس میں سفر کرتے ڈرتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی اس میں بیٹھ کر کنارے کنارے، جزیرے کے قریب ہی گھوم آتا تھا اور زیادہ دور نہ جاتا تھا۔

میرا حلیہ ایسا عجیب اور مضحکہ خیز ہوگیا تھا کہ اگر میں اسی حلیہ میں شہر لندن پہنچ جاتا تو سارے لندن کے لوگ میری عجیب شکل وصورت کو دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوجاتے۔ میرے سر پر بکری کی کھال کی لمبی سی ٹوپی تھی، جس کے پیچھے کی طرف ایک چمڑا لٹکا رہتا تھا۔ اس کے پہننے سے میں دھوپ سے بچا رہتا تھا اور بارش کا پانی اس پر سے بہہ جاتا تھا۔ بدن پر بکری کی کھال کا ایک لمبا سا کرتا، گھٹنوں تک کا تھا، اور بکری ہی کی کھال کا پاجامہ تھا، جو ایڑیوں کو چھوتا تھا۔ پیر میں جوتا اور موزہ تو نہیں تھا لیکن جوتا نام کی ایک چیز ضرور تھی۔ یہ بکری کی کھال کی لمبی سی پٹی کا کمر بند تھا۔ جسے میں کمر میں لپیٹ کر اوپر سے ایک رسی سے کس لیا کرتا تھا۔ اس میں دو سوراخ تھے، ایک میں کلہاڑی اور دوسرے میں آری لٹکتی رہتی تھی۔ اسی کمر پٹی میں دو تھیلیاں بھی لٹکا لیتا تھا، ایک میں بارود اور دوسری میں چھرا اور گولی رکھ لیتا تھا۔ اس کے علاوہ پیٹھ پر ایک ٹوکری بھی ہوتی تھی۔ کندھے پر بندوق اور دھوپ سے بچنے کے لیے کھال کا بنا ہوا چھاتا رہتا تھا۔ میری ہاتھ بھر کی لمبی داڑھی تھی۔ یہ تھا میرا حلیہ۔ پہلی نظر میں تو میں کسی دوسری ہی دنیا کا آدمی لگتا تھا۔

ایک دن میں نے سمندر کے کنارے آدمی کے پیر کا نشان

دیکھا۔ یہ نشان دیکھ کر مجھے بے حد تعجب ہوا۔ مارے خوف کے میرا برا حال ہوگیا۔ جیسے گویا میں نے کسی بھوت پریت کو دیکھ لیا ہو۔ میں نے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور کان لگا کر سننے کی کوشش کی لیکن کہیں کچھ دکھائی یا سنائی نہیں دیا۔ پھر میں نے سمندر کے کنارے ادھر ادھر خوب غور سے دیکھا لیکن کہیں اور مجھے پیروں کے نشان نظر نہیں آئے۔

میں پیر کے نشان دیکھ کر ایسا ڈرا کہ اسی وقت سیدھا اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ لیکن ڈر کا یہ حال تھا کہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں کوئی میرا پیچھا تو نہیں کر رہا ہے۔ کبھی کسی درخت کو دیکھ کر گمان ہوتا کہ کوئی بیٹھا ہے۔ دل میں عجیب عجیب خیالات آتے تھے۔ کسی طرح سے گھر تک پہنچا اور بستر پر جا کر پڑ رہا۔ ساری رات مجھے اچھی طرح سے نیند بھی نہیں آئی۔ بار بار اسی پیر کے نشان کا خیال ستاتا تھا۔ میں یہ سوچ سوچ کر تھک گیا تھا کہ آخر اس ویران جگہ پر یہ نشان کس کا ہوسکتا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ وہ نشان کسی چوپائے وغیرہ کا ہوگا، اگر کوئی انسان آجاتا تو جہاز یا کشتی پر آتا اور اس کے پیر کے دوسرے اور نشانات بھی ہوتے۔

پھر یہ خیال آیا کہ ہوسکتا ہے قریب ہی جو دوسرے ٹاپو ہیں ان میں جو آدم خور بستے ہیں، ان میں سے کوئی یہاں آیا ہو اور میری کشتی دیکھ کر واپس چلا گیا ہو۔ کیا پتہ وہ اپنے قبیلہ کے دوسرے ساتھیوں کو لے کر، کسی وقت یہاں آئے اور پھر وہ لوگ مجھے تلاش کرکے پکڑ لیں اور مار ڈالیں۔ یا اگر میں ان کے ہاتھ نہ آؤں تو وہ میری بکریاں اور غلہ برباد کر جائیں گے اور میرا گھر جلا ڈالیں گے۔ دونوں صورتوں میں میرا ہلاک ہوجانا لازمی ہے۔

کئی روز تک اس قسم کے خیالات مجھے پریشان کرتے رہے۔ میں تین روز تک اپنے گھر سے بھی باہر نہیں نکلا اور نہ ہی بکریوں کا دودھ دوہنے باڑے تک گیا۔

ایک دن میں نے ٹھنڈے دل سے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ میرے ہی پیر کا نشان ہو۔ یہ سوچ کر میں مطمئن سا ہوگیا۔ میں سمندر کے کنارے گیا اور اس نشان کو اپنے پیر کے نشان سے ناپا تو وہ نشان میرے پیر کے نشان سے بڑا نکلا۔ یہ معلوم کرکے میرا خوف تازہ ہوگیا، اور اب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کسی آدم خور کے پیر ہی کا نشان ہے تو آدم خوروں کا غول کسی وقت آکر مجھے ہلاک کرسکتا ہے۔ میری بکریاں پکڑ کر میرے مکان کو جلاسکتا ہے۔ اس سے بہتر تو یہی ہوگا کہ میں اپنا گھر خود اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کر ڈالوں۔ خیمہ اکھاڑ پھینکوں، دھان اور جو جلا ڈالوں اور بکریوں کو جنگل میں چھوڑ دوں۔ تا کہ جب آدم خور یہاں آئیں تو انھیں کچھ بھی نہ ملے اور وہ ناامید

ہو کر واپس چلے جائیں۔

ظاہر ہے کہ یہ میری پریشان خیالی تھی، اور مارے ڈر کے ایسا سوچ رہا تھا۔ جب میں نے سکون کے ساتھ سوچا تو یہ سمجھ میں آیا کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔ میں نے بہت محنت اور مصیبتوں سے یہ مکان بنایا ہے اور بہت ساری چیزیں اکٹھا کی ہیں، یہاں مجھے بہت آرام ہے اور یہ جگہ بہت محفوظ بھی ہے۔ اول تو ایسی اچھی جگہ کہیں اور ملنے کی نہیں اگر مل بھی گئی تو ساری چیزیں یہاں سے لے جانا پڑیں گی، جو بہت مشکل کام ہے اور یہ ضروری نہیں کہ دوسرا مکان بھی سارے خطروں سے محفوظ ہو۔ موت تو کہیں بھی آسکتی ہے اور مجھے ہر خطرہ کا ہمت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے۔ جس خدا نے مجھے اب تک تمام مصیبتوں سے بچایا ہے وہ آگے بھی بچائے گا۔

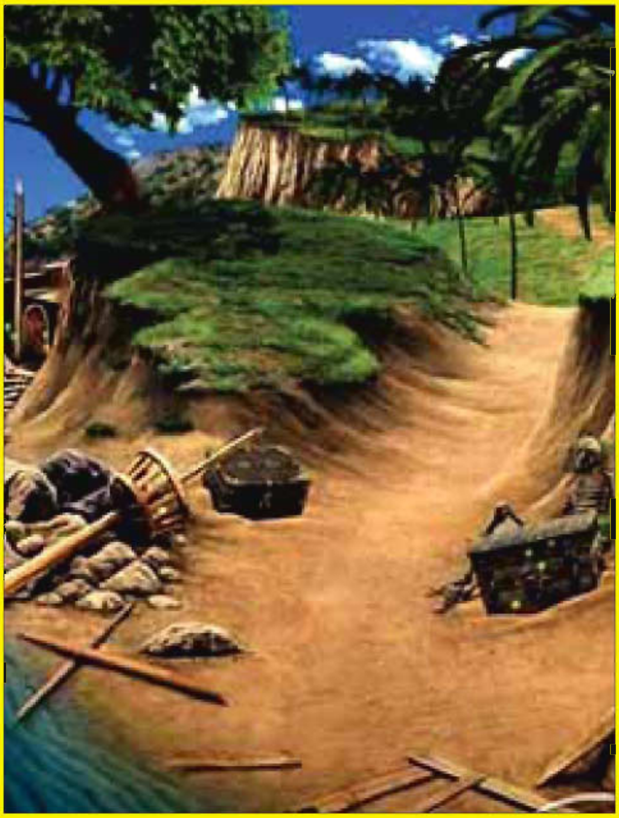

میری سمجھ میں آیا کہ یہاں آدم خور اپنے دشمنوں کو پکڑ کر لاتے ہیں اور ان کو مار کر گوشت بھون کر کھاتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ہمارا جہاز ایسے ٹاپو میں ڈوبا تھا جہاں سے آدم خور دور رہتے تھے ورنہ وہ کب کا مجھے کھا ہی چکے ہوتے۔

اس واقعہ کے بعد اور اس منظر کو دیکھنے سے میری طبیعت بہت پریشان رہی اور دو سال تک میں اپنے گھر کے قریب ہی رہا۔ اور ان آدم خوروں کے دعوت کھانے کے مقام تک نہیں گیا، اور نہ ہی اپنی کشتی کی خبر لینے کو گیا جو میں نالے میں ایک جگہ کھڑی کر رکھی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ان موذیوں سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔

میرا ڈر اب بہت کم ہو گیا تھا لیکن میں اب بہت چوکنا رہتا تھا۔ جب بھی کبھی باہر نکلتا تو بندوق کے علاوہ دو پستول بھی میرے کمر سے لٹکے ہوتے تھے کہ اگر اتفاق سے کبھی ان آدم خوروں سے سامنا ہو جائے تو ان کا مقابلہ کر سکوں۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا تھا کہ یہ موذی جب اپنے قیدیوں کو پکڑ کر ہلاک کرنے یہاں آئیں تو ان پر اچانک حملہ کر کے انھیں مار ڈالوں۔ لیکن یہ سوچ کر رہ جاتا کہ اگر وہ تعداد میں زیادہ ہوئے تو میں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گا۔

ایک بار میں نے ان پر حملہ کرنے اور ان کو مار ڈالنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ ایک پیڑ کے پیچھے آڑ میں بیٹھ کر ان پر حملہ کرنے کا منصوبہ

آدم خور!

ایک دن میں پہاڑی پر کھڑا سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی کشتی کہیں جا رہی ہو۔ میرے پاس اس وقت دوربین نہیں تھی اس لیے میں صاف طور سے نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کشتی ہی ہے یا کچھ اور ہے۔ میں پہاڑی سے اتر کر جنوب و مغرب کی سمت کو چلا۔ جدھر میں نے کشتی کو دیکھا تھا۔ میں نے وہاں ایک ایسا خوفناک منظر دیکھا جو میرا دل دہلا دینے کو کافی تھا۔ وہاں آگ کے الاؤ کے قریب انسانوں کے ہاتھ پیروں اور سروں کی ہڈیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اب

بنایا۔ اپنے ساتھ بندوقیں، پستولیں لیں، ان میں سیسہ اور بارود بھر کر تیار کیا۔ میں نے کئی روز تک ان کے آنے کا انتظار کیا۔ میں ہر روز پہاڑ پر چڑھ کر دوربین سے آدم خوروں کی کشتی کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا، لیکن میں ان کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا اور وہ نہ آئے۔ آخر میں نے ان وحشیوں کو مارڈالنے کا ارادہ چھوڑ دیا، اور پھر ایک سال تک ان کو دیکھنے پہاڑ پر نہیں چڑھا۔

میں اب بہت احتیاط برتا کرتا تھا۔ نہ اب سمندر کے کنارے جاتا تھا، نہ گھر سے بہت دور۔ بلکہ اپنے گھر سے بہت کم نکلا کرتا تھا۔ میں آگ بھی نہیں جلاتا تھا اور نہ ہی لکڑیاں پھاڑا کرتا تھا ۔میں اندر جنگل میں جا کر اور لکڑیاں جلا کر کوئلہ بنا لیتا تھا، اور اسی کوئلہ پر کھانا پکایا کرتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ دھواں دیکھ کر یا لکڑی پھاڑنے کی آواز سن کر آدم خور یہ پتا نہ لگالیں کہ یہاں کوئی رہتا ہے۔ یہی نہیں میں چراغ بھی بہت کم جلاتا تھا اور رات کو جلدی سو جایا کرتا تھا۔

میں نے جنگل میں ایک بڑا سا غار بھی ڈھونڈ لیا تھا۔ یہ بہت اچھا اور محفوظ تھا۔ ہوا یہ کہ ایک دن جب میں لکڑی کاٹ رہا تھا تو مجھے ایک پیڑ کے پیچھے ایک گڑھا سا دکھائی پڑا۔ میں نے جب اسے قریب سے دیکھا تو وہ غار نکلا، وہ غار اندر سے اتنا بڑا تھا کہ بیک وقت دو آدمی اس کے اندر داخل ہو سکتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اس میں بڑا اندھیرا تھا لیکن میں ہمت کر کے اس کے اندر گھس گیا۔ اندھیرے میں مجھے دو چمک دار آنکھیں سی دکھائی پڑیں میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا بلا ہے میں گھبرا کر باہر نکل آیا۔

پھر مجھے اپنے اوپر خود ہی ہنسی آئی اور میں نے اپنے آپ سے کہا:

''اے نادان! تجھے اس جگہ رہتے ہوئے بیس سال بیت گئے، تیری صورت خود اتنی بھیانک ہے کہ شیطان بھی تجھے دیکھ کر ڈر جائے۔ بھلا اس غار کے اندر تجھ سے زیادہ خوفناک دوسری چیز تو ہو نہیں سکتی۔'' میں ہمت کر کے، ایک سوکھی ہوئی جلتی لکڑی لے کر غار کے اندر چلا گیا، ذرا فاصلہ طے کرنے پر مجھے کوئی آواز سنائی دی۔ میں پھر ٹھٹھک گیا۔ ہمت کر کے پھر آگے کو چلا۔ لکڑی کی روشنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بکری پڑی دم توڑ رہی ہے۔ میں نے اسے باہر نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اتنی بھاری تھی کہ وہ مجھ سے نہ اٹھ سکی۔ وہ بکری وہیں مر گئی اور میں نے غار کے اندر ہی ایک گہرا سا گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا تا کہ بدبو نہ آئے۔

میں نے غار کو اندر سے اچھی طرح دیکھا۔ یہ غار پھیلاؤ میں آٹھ ہاتھ کا تھا۔ اس کے اندر ایک تنگ راستہ اور تھا، جس میں گھٹنوں کے بل ہو کر اندر داخل ہو سکتا تھا۔ میں دوسرے دن بکری کی چربی کی بتی جلا کر غار کے اندر گیا اور غور سے دیکھا تو وہ خاصا بڑا نکلا۔ یہی نہیں اس غار کی چھت میں قیمتی چمک دار پتھر بھی تھے جو بتی کی روشنی میں دمک رہے تھے۔ گویا غار اندھیرا تھا لیکن صاف ستھرا اور بالکل خشک تھا۔ اس

کے اندر کی زمین بالکل ہموار تھی۔ بس اس میں داخل ہونا ذرا مشکل تھا۔ لیکن یہ بہت ہی محفوظ تھا اور پوشیدہ جگہ پر تھا کہ اگر اس میں آدمی چلا جائے تو لاکھ تلاش کرنے پر بھی اس کا پتہ نہ چلے۔

میں اس غار کی دریافت سے بہت خوش ہوا۔ کیوں کہ جیسی محفوظ اور الگ تھلگ چھپی ہوئی جگہ میں چاہتا تھا وہ اب مجھے مل گئی تھی۔ میں نے ضرورت کی چیزیں، چند بندوقیں اور بارود کا ایک حصہ لا کر یہاں رکھ دیا تھا۔ کبھی کبھی میں خود بھی اس غار کے اندر آ کر رہ لیتا تھا ان پرانے زمانے کے آدمیوں کی طرح جو پہاڑوں کے غاروں میں زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ میں اپنے آپ کو بھی پرانے زمانے کا، غاروں میں زندگی بسر کرنے والا ایک انسان تصور کرکیا کرتا تھا، کیونکہ مجھے اس ٹاپو میں آئے ہوئے اتنا زیادہ زمانہ بیت گیا تھا کہ میں اپنے آپ کو اسی ٹاپو کا ایک باشندہ خیال کرنے لگا تھا۔

مجھے یہاں رہتے رہتے تئیس 23 سال بیت چکے تھے۔ میرا طوطا چھبیس سال تک زندہ رہا اور کتا سولہ برس تک جیتا رہا۔ اس کے علاوہ کئی جنگلی بلے اور بلیاں بھی میں نے پالے تھے۔ لیکن ان کے بچے چیزیں خراب کر دیتے تھے۔ اس لیے ان کو میں پانی میں پھینک دیا کرتا تھا۔ ورنہ بلیوں کی ایک بڑی فوج بن جاتی، میں نے کئی طوطے بھی پالے تھے لیکن وہ صرف میرا نام ہی رٹا کرتے تھے اور باوجود میرے رٹانے کے اس کے علاوہ اور کچھ نہ بول سکتے تھے۔ دو تین بکری کے بچے بھی مجھ سے بہت مانوس ہو گئے تھے وہ میرے ہاتھ سے دانا کھایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کئی طرح کے پرندے اور بھی تھے جو سمندری مچھلیاں کھایا کرتے تھے اور میرے مکان کے پاس جو پیڑوں کا جھنڈ تھا اس پر رہا کرتے تھے۔

میں ان سب ساتھیوں کے ساتھ زندگی کے دن ہنسی خوشی سے گزار رہا تھا اور مصیبتوں کو بڑے صبر کے ساتھ برداشت کر رہا تھا۔ بس مجھے ہر وقت آدم خوروں کا ڈر لگا رہتا تھا۔

ایک دن صبح کے وقت میں نے دیکھا کہ میرے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے آگ کا تیز الاؤ جل رہا ہے۔ میں یہ دیکھ کر بہت ڈرا اور غار کے اندر جا کر چھپ رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں آدم خور مجھے تلاش نہ کر لیں اور پکڑ کر نہ لے جائیں۔ بہت دیر کے بعد میں ہمت کر کے غار سے باہر نکلا اور پہاڑی پر چڑھ کر دوربین سے آدم خوروں کی حرکتیں دیکھنے لگا۔ وہ سب بالکل ننگے تھے اور خوب اچھل کود رہے تھے۔ کسی کو پکڑ کر لائے تھے اور اس کو مار کر اس کا گوشت بھون کر کھا رہے تھے۔

وہ بہت دیر تک جشن مناتے رہے اور جب کھا پی کر وہاں سے چلے گئے اور ان کی ڈونگیاں میری نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو میں دو

بندوقیں اور پستول بھر کر اور کمر سے تلوار لٹکا کر اس جگہ گیا جہاں انھوں نے الاؤ جلایا تھا اور دعوت کھائی تھی۔ وہاں ریت پر خون، انسانوں کے سر کی ہڈیاں اور کٹے ہوئے ہاتھ پیر بکھرے پڑے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت گھن آئی او ران وحشیوں سے بہت غصہ آیا۔ میں نے پکا ارادہ کرلیا کہ دوبارہ جب یہ آدم خور یہاں آئیں گے تو میں ان پر حملہ کر کے دو چار کو ضرور ختم کر ڈالوں گا۔

ایک رات جب کہ طوفان ہوا چل رہی تھی اور میں انجیل مقدس کی تلاوت کر رہا تھا، میں نے توپ چلنے کی آواز سنی۔ میں اسی وقت سیڑھی لگا کر پہاڑی پر چڑھ گیا۔ اسی وقت دوسری بار توپ چھوٹی، تب میں نے اندازہ لگایا کہ کوئی قسمت کا مارا جہاز سمندر کی لہروں میں پھنس گیا ہے اور عین اسی جگہ پر ہے جہاں ہمارا جہاز پھنسا تھا۔ یہ توپ جہاز والوں نے مدد کے لیے چھوڑی ہے۔

میں نے پہاڑی پر سوکھی لکڑیاں اکٹھا کر کے آگ لگادی۔ ہوا کے زور سے لکڑیاں فوراً بھڑک اٹھیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی طرف کو بار بار توپ چھوڑی جانے لگی۔ میں تمام رات پہاڑی پر ہی رہا اور آگ جلاتا رہا۔ صبح میں نے دیکھا کہ ایک جہاز اسی جگہ پر ریت میں پھنسا کھڑا ہے جہاں میرا جہاز پھنسا تھا۔

میں نے اپنی ڈونگی میں کھانے پینے کا سامان رکھا اور سمندر کے کنارے جہاز کے باقی بچے ہوئے آدمیوں کی تلاش میں چلا۔ ایک جگہ کنارے پر مجھے ایک آدمی پڑا ہوا دکھائی دیا، لیکن وہ مر چکا تھا۔ شاید وہ اس جہا ز کا ملاح تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے تمباکو پینے کی ایک نلکی نکلی۔ میں نے وہ نلکی رکھ لی۔ کیوں کہ یہ میرے کام کی تھی۔

میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجھے کوئی اور زندہ انسان نہیں دکھائی دیا۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔

جس جگہ ٹوٹا ہوا جہاز سمندر میں ریت میں پھنسا کھڑا تھا وہاں تک جانے کی میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی، کیوں کہ اس کے قریب پانی کی تیز دھار بہتی تھی۔ مجھے ڈر لگتا تھا کہ وہاں تک جانا میری ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ آخر ہمت کر کے بھاٹے کے وقت اپنی ڈونگی میں کھانا اور پانی رکھ کر جہاز کی طرف روانہ ہوگیا کہ شاید میری قسمت سے کوئی زندہ انسان وہاں مل جائے۔

میں جہاز تک صحیح سلامت پہنچ گیا۔ میرا استقبال ایک جاندار نے کیا اور وہ تھا ایک کتا، جو پہلے تو مجھے دیکھ کر بھونکا، لیکن جب میں نے اسے چمکارا تو دم ہلانے لگا۔ میں نے اسے کھانے کو جَو کی روٹی دی اور پانی پلایا، وہ بہت بھوکا تھا۔ **جاری**

نظم

جرم محمد آبادی

پیٹو کی کہانی

ایک پیٹو کھا رہا تھا پیچ و تاب
کم نہیں ہوتا تھا اس کا اضطراب
مل گیا دعوت میں جانے کا شرف
ڈٹ کے مالِ مفت کھایا بے حساب
سانس جب لیتا تھا وہ دل تھام کر
منھ سے گر پڑتا تھا کپڑوں پر لُعاب
آئے کیا لالچ کے انگاروں پہ چین
سوزِ بدہضمی سے جب دل ہو کباب
گھر تک آنا ہو گیا اس کو محال
رکنا آفت اور چلنا بھی عذاب
راستے میں مل گئے اک وید جی
جب انھوں نے دیکھا یہ حالِ خراب
بولے اے کم بخت جینا ہے اگر
اک دوا ہے پاس میرے لاجواب
ہضم ہو جائے گی فوراً سب غذا
چار ماشہ کھالے یہ چورن شتاب
جرم ، تم روکو ہنسی تو میں کہوں
وید جی کو کیا دیا اس نے جواب
اتنی گنجائش جو ہوتی پیٹ میں
ایک لڈّو اور کھا لیتا جناب

مشکل لفظ: **سوز**: جلن، **ماشہ**: وزن کا ایک پرانا پیمانہ جو تولہ کا 12 واں حصہ ہوتا تھا، **شتاب**: فوراً، جھٹ پٹ

• پانچ چیزیں آپ کے پاس ہوں تو کبھی نقصان میں نہیں رہیں گے:

1۔اچھی زبان

2۔امانت داری

3۔خوش اخلاقی

4۔رزقِ حلال

5۔ماں کی دعائیں

طوبیٰ انعم، ناندیڑ

• بچّہ فون پر: میرا بچّہ بیمار ہے اس لیے اسکول نہیں آسکے گا۔ اس کی غیر حاضری معاف فرمائیں...

استاد، گرج کر: کون ہے؟

بچّہ، ڈرکر: میرے ابّو...

سارہ عبدالرحمٰن، دیوان شاہ، بھیونڈی

• استاد: بتاؤ بھینس کی کتنی ٹانگیں ہوتی ہیں؟

شاگرد: یہ تو کوئی بیوقوف بھی بتا سکتا ہے

استاد: اسی لیے تو تم سے پوچھ رہا ہوں!

رومانہ نازنین، ناندیڑ

• انسان نے کوئل سے کہا: کتنا اچھا ہوتا جو تو اتنی کالی نہ ہوتی

سمندر سے کہا: کتنا اچھا ہوتا جو تیرا پانی کھارا نہ ہوتا

گلاب سے کہا: کتنا اچھا ہوتا جو تیرے ساتھ کانٹے نہ ہوتے

تینوں نے انسان سے کہا: کتنا اچھا ہوتا جو تجھ میں دوسروں کی کمیاں ڈھونڈنے کی بری عادت نہ ہوتی!

حسنیٰ زہراوی۔کوپا گنج

• سنتا بنتا سے: ہم دونوں میں کیا رشتہ ہے؟

بنتا: وہی جو بیسن اور پکوڑے میں ہے

سنتا: وہ کیسے؟

بنتا: جب بیسن سنتا ہے تبھی تو پکوڑا بنتا ہے!

محمد سلیم دانش، کھام گاؤں ڈسٹرکٹ، بلڈانا

• ٹیچر: 10 کیمیکل ایلی منٹس Chemical Elements کے نام بتاؤ!

اسٹوڈنٹ: ہائڈروجن، آکسیجن، کلورین، فلورین، برومین، نسرین، پروین، یاسین، یامین اور شہاب الدین

محمد شاداں الیاس، فیض پور

• 'بچوں کی دنیا' رسالہ پسند آیا۔ میں نے ہر شمارہ پڑھا ہے!

تسمیہ، جگہ کا نام نہیں لکھا

• اسکول کی دوستی دسویں تک

کالج کی دوستی فائنل تک

لورز lovers کی دوستی شادی تک

ہماری دوستی 28 فروری تک، نہ کبھی 30 فروری آئے گی نہ ہماری دوستی ٹوٹے گی!

30th February

• سنتا: مجھے فون پر دھمکیاں مل رہی ہیں!

پولیس: کون دھمکی دیتا ہے؟

سنتا: بی ایس ان ایل والے۔ کہتے ہیں فون کا بل نہ بھرا تو کاٹ دیں گے۔

فریضہ روحین، لیبر کالونی ناندیڑ

• مریض: ڈاکٹر صاحب مجھے آواز تو آتی ہے لیکن بولنے والا دکھائی نہیں دیتا!
ڈاکٹر: کب؟
مریض: جب میں ٹیلی فون پر بات کرتا ہوں!

• ڈاکٹر: کیا تکلیف ہے؟
مریض: سینے میں درد ہے
ڈاکٹر: سگریٹ پیتے ہو؟
مریض: ہاں، لیکن صرف گولڈ فلیک منگوانا۔

سید مجید مقصود، تعلقہ اردھا پور

• بیوی: نیا گھر بنوالیجیے، پرانے گھر میں رات کو بارش سے چھت ٹپکتی ہے
شوہر: رات کے اندھیرے میں بارش کیسے جان سکتی ہے کہ چھت میں سوراخ کہاں ہے!

سیدہ نازیہ انجم ممتاز، اردھا پور

• میزبان: کہیے جناب خیریت کے ساتھ آئے ہیں نا؟
مہمان: جی نہیں۔ میں اکیلا آیا ہوں

محمد یاسین ہارون سنگمیشور، مالیگاؤں مہاراشٹر

• ڈاگ نے کیٹ کو
کیا پروپوز
اور دیا اس کو ایک
ریڈ روز
دونوں ہوگئے شادی
کو تیار

لیکن گھر والوں نے
کیا انکار
بولے، یہ شادی نہیں
ہونے والی
کیونکہ لڑکی ہے
مونچھوں والی!

• سنتا ایک رات شارٹ کٹ کی تلاش میں سائیکل لے کر قبرستان میں گھس گیا اور دوسری طرف سے نکل کر پسینہ پونچھتے ہوئے پیچھے بیٹھے بنتا سے بولا، ''یہ کیسا راستہ ہے یار؟ اتنے سارے اسپیڈ بریکر؟''

• اک لڑکی تھی دیوانی سی
موبائل لے کر چلتی تھی
نظریں جھکا کر شرما کر
موبائل میں وہ بے چاری
جانے کیا ڈھونڈا کرتی تھی
کچھ کہنا تھا شاید اس کو
پر جانے کس سے ڈرتی تھی
جب بھی ملتی تھی مجھ سے وہ
بس یہ ہی پوچھا کرتی تھی
یہ کیسے باتیں کرتا ہے
کیسے میں اس کو آن کروں؟
اور میں بس یہ کہہ دیتی تھی
موبائل نہیں ہے دیوانی
ٹی وی کا ریموٹ ہے یہ!

نغمہ کہکشاں، کمل پورا، مالیگاؤں

• سنتا کے گھر میں ڈاکو گھس آئے۔ ان کا سردار چلّا کر بولا، ''جلدی بتاؤ سونا کہاں ہے؟''
سنتا نے کہا: ''سارا گھر خالی پڑا ہے۔ جہاں چاہو سو جاؤ!''

• استاد: بتاؤ آم کب توڑنا چاہیے؟

شاگرد: جب مالی آس پاس نہ ہو!

نام پتہ نہیں لکھا

• گولو کلاس میں ہنس رہا تھا۔

ایک لڑکی بولی: اسٹینڈ اپ!

گولو: کون ہو تم؟

لڑکی: میں مانیٹر ہوں

گولو: ہاہاہا! تیرے دن لد گئے۔ آج کل لیپ ٹاپ اور ایل سی ڈی کا زمانہ ہے!!

• لڑکا، ایک لڑکی کو گلاب کا پھول دیتے ہوئے: اس کا مطلب سمجھتی ہو؟ جانتی ہو یہ کیا رشتہ ہے؟

لڑکی: ہاں، یہ بڑا پاک رشتہ ہے!

لڑکا: تو اس پیار کو میں کیا نام دوں؟

لڑکی: نام نہ دو، صرف گاؤ:

پھولوں کا تاروں کا سب کا کہنا ہے

ایک ہزاروں میں میری بہنا ہے!

نعیم احمد خاں، پنشن پورا، پرت واڑا کامپٹی، مہاراشٹر

• جج: جانتے ہو تمھیں جھوٹ بول کر کہاں جانا ہوگا؟

ملزم: جی ہاں جانتا ہوں۔ جھوٹ بولا تو دوزخ جاؤں گا۔

جج: تو پھر سچ کیوں نہیں بولتے؟

ملزم: اس لیے کہ سچ بولا تو جیل جانا پڑے گا!

صادقہ تبسم، حکیم نگر، مالیگاؤں

• ڈاکٹر: آپ کا وزن کتنا ہے؟

مریض: چشمے کے ساتھ 75 کلوگرام

ڈاکٹر: اور چشمے کے بغیر؟

مریض: مجھے وزن دکھائی نہیں دیتا۔

محمد عمیر، مالیگاؤں

• ایک بہت موٹا آدمی، ہاتھی پر بیٹھ کر کہیں جا رہا تھا۔ ایک بچّہ یہ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ موٹے آدمی نے پوچھا، ہنس کیوں رہے ہو؟ کیا اس سے پہلے ہاتھی نہیں دیکھا؟

بچّہ بولا: دیکھا تو ہے انکل، لیکن ہاتھی کے اوپر ہاتھی آج ہی دیکھا ہے!

ایمن رفیق، مومن سٹی، شولا پور

• کسی کو سوری Sorry کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ غلط ہیں اور دوسرا صحیح ہے۔ سوری کہنے سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رشتے کو اپنی انا Ego سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں!

شیخ غوثیہ ناز، عظیم رہاتا، احمد اباد

• ابّو: منّا، اتنی گرمی میں گرم کوٹ پہن کر اسکول کیوں جا رہے ہو؟

منّا آج میں نے ہوم ورک نہیں کیا ہے!

وجاہت علی، بھیونڈی

• بجلی + بادل = ساون آیا

بارات + باجا = دولہا آیا

پھول + پتنگ = بسنت آیا

آپ + آپ کی ہنسی = بھاگو، بھاگو بھوت آیا

خدیجہ باگوان، لاتور

• بم دھماکے کے بعد ٹی وی رپورٹر نے ایک زخمی سے پوچھا: ’’کیا بم گرتے ہی پھٹ گیا تھا؟‘‘ زخمی درد سے کراہتے ہوئے غصے سے بولا، ’’جی نہیں۔ بم گرنے کے بعد چپکے سے میرے پاس آیا اور بولا: سرپرائز Surprise!‘‘

یاسر اقبال، مالیگاؤں مہاراشٹر

• اسٹوڈنٹ نے جب امتحان میں سوالوں کا پرچہ دیکھا تو پہلا سوال تھا: چیلنج کسے کہتے ہیں؟

اسٹوڈنٹ نے ساری کاپی خالی چھوڑ دی اور آخر میں صرف یہ لکھا:
''اگر ہمّت ہے تو پاس کر کے دکھاؤ۔ یہ چیلنج ہے!''

• منّی اور منّا رو رہے تھے۔
منّی نے کہا،''میری گڑیا کھو گئی ہے اس لیے رو رہی ہوں ۔تم کیوں روتے ہو؟''
منّا نے کہا،''میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میری گڑیا رو رہی ہے۔''

• سوال: کالج کا لکچرر ماں سے رتبے میں بڑا کیسے ہوسکتا ہے؟

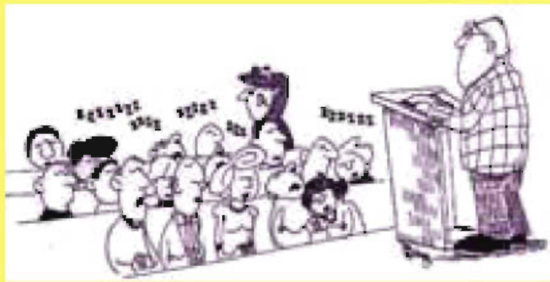

جواب: ماں عام طور پر ایک یا دو بچّوں کو ہی سلاتی ہے۔مگر لیکچرر پوری کلاس کو سلا سکتا ہے!

محمد زکی، مالیگاؤں، مہاراشٹر

• انسان کو انسان دھوکا نہیں دیتا بلکہ اسے اس کی وہ امیدیں دھوکا دے جاتی ہیں جو وہ دوسروں سے رکھتا ہے...

افزین، اردھا پور، ناندیڑ

• سنتا: کل میری شادی ہے اور لڑکی والوں نے کم سے کم باراتیوں کو لانے کی بات کہی ہے!
بنتا: تو تمھیں اس سے کیا پریشانی ہے؟
سنتا: میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ پاپا مجھے بارات میں لائیں گے یا نہیں!

تنظیم شاہ عالم، اجی کا پورا، سرائے میر، اعظم گڑھ

• ایک بڑھیا تھی جو بچپن میں مرگئی!

مسعود اشرف، جامعہ امام ابن تیمیہ

شوہر: بیگم آج ہم ہوٹل میں کھانا کھائیں گے؟
بیوی: کیوں، کیا گھر کا کھانا پسند نہیں آتا؟
شوہر: کھانا تو پسند آتا ہے لیکن آدمی روز برتن دھوتے دھوتے تھک بھی تو جاتا ہے!

شیخ فیضان شکیل، بھساول، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

• جن: کیا حکم ہے میرے آقا؟
الہ دین: میرے گھر سے امریکہ تک پکّی سڑک بنادو...
جن: یہ تو بڑا مشکل کام بتا دیا آقا!
الہ دین: اچھا تو میری بیوی کو میرا فرماں بردار بنادو!
جن: پھر تو آپ امریکہ کی سڑک ہی بنوا لیجیے۔ بتایئے سنگل روڈ بنوانی ہے یا ڈبل؟

سدرت ضحیٰ، اکوٹ، مہاراشٹر

• پلیز باہر آؤ...
آ گئے...
اب اوپر دیکھو
چاند دکھائی دیا؟
دیکھ لیا!؟ اب چپ چاپ سو جاؤ
کل صبح سورج دکھائیں گے
گڈ نائٹ

• تم کیا جانو بے وقوف دوست کیا ہوتا ہے
تم کیا جانو پاگل دوست کیسا ہوتا ہے
کیونکہ تمھیں انٹیلی جنٹ دوست ملا ہے نا!
قسمت تو خالی میری خراب ہے!

شمائلہ صدف، گور بید نگر، مالیگاؤں

ادارہ

بچّوں کا اخبار

آر کے لکشمن کا انتقال

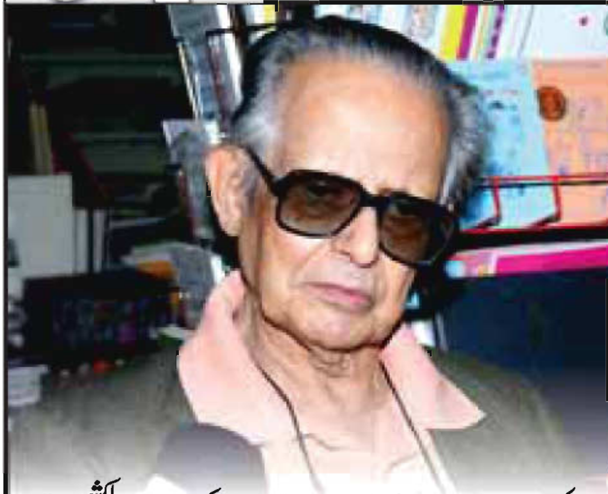

پٹنے: ہندوستان کے سب سے مشہور کارٹونسٹ اور مزاح نگار آر کے لکشمن کا 26 جنوری 2015 کو لمبی بیماری کے بعد انتقال ہو گیا۔ وہ 94 سال کے تھے۔ لکشمن ہندوستان کے ہی نہیں دنیا کے بڑے کارٹونسٹوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا بنایا ہوا کردار 'عام آدمی' Common Man اتنا مقبول تھا کہ اس کے کئی مجسمے ملک کے کئی شہروں میں ان کی زندگی میں ہی لگا دیے گئے تھے جن میں ممبئی کے بہادر شاہ ظفر روڈ پر لگایا گیا کامن مین کا مجسمہ بھی شامل ہے۔ پنے میں ایسے ہی ایک مجسمے کے نیچے ان کی میّت عام لوگوں کے درشنوں کے لیے رکھی گئی اور وہیں سے ان کی ارتھی مکمل سرکاری اعزاز کے ساتھ آخری رسوم کے لیے لے جائی گئی۔ لکشمن جنوبی ہندوستان کے شہر میسور میں 24 اکتوبر 1921 کو پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام راسی پورم کرشنا سوامی لکشمن تھا۔ انگریزی کے مشہور ناول نگار آر کے نرائن کے بڑے بھائی تھے۔ اخبار 'دی ہندو' میں بڑے بھائی کی کہانیوں کے لیے تصویریں بنانے سے ان کے کریئر کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد وہ ممبئی کے فری پریس جرنل اور پھر ٹائمس آف انڈیا سے وابستہ ہوئے اور یہ وابستگی زندگی بھر جاری رہی۔ ٹائمس کے لیے وہ تقریباً روزانہ کارٹون بناتے تھے اور ان کے کارٹون کالم کا ٹائٹل 'یو سیڈ اٹ' You Said It تھا۔ لوگ بے تابی سے ہر صبح ان کے کارٹون کا انتظار کرتے تھے۔ انھوں نے بے شمار بڑی ہستیوں کے کارٹون یا کیری کیچر Carricature بنائے۔ لکشمن کسی کا کیری کیچر بنا دیں تو یہ اس ہستی کے لیے فخر کی بات ہوتی تھی۔ حکومت نے انھیں پدم وبھوشن کا اعلیٰ اعزاز پیش کیا تھا۔ 1984 میں انھیں ریمن میگ سیسے ایوارڈ ملا۔ لکشمن کے کارٹونوں کی خاص بات یہ تھی کہ وہ ہمارے سماج اور سیاست دونوں کی خرابیوں پر روشنی ڈالتے تھے۔ ہندوستانی عوام انھیں کبھی نہیں بھول سکتے۔

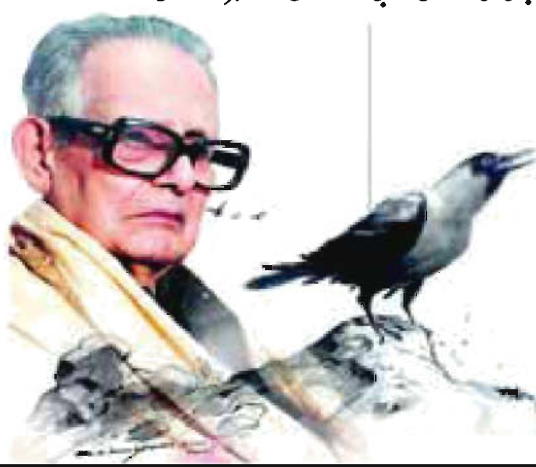

□ ادارہ

اردو Facebook

□ میرا نام مریم نوشاد ہے۔ اسکول جانے لگی ہوں لیکن ابھی مجھے اچھی طرح لکھنا نہیں آتا۔ جب لکھنے لگوں گی تو خود ہی آپ کو خط لکھا کروں گی۔

مریم نوشاد، اسکالر اسکول، جامعہ نگر، نئی دہلی

□ میرا نام ایان گوہر خان ہے۔ میں چار سال کا ہو گیا ہوں۔ میں ایڈنبرا، انگلینڈ میں رہتا ہوں۔ اس مرتبہ میری سالگرہ 25 جنوری 2015 کو بریڈفورڈ میں منائی گئی۔ میں فٹ بال کھیلتا ہوں۔ پلے گروپ میں جاتا ہوں۔ اس کے بعد نرسری میں جاتا ہوں۔ بہت مصروف رہتا ہوں۔ اگلے سال اسکول بھی جانے لگوں گا۔

ایان گوہر خان، ایڈنبرا، انگلینڈ

□ میرا ایک کارٹون 'بچوں کی دنیا' میں چھپ چکا ہے۔ مجھے کارٹون بنانے کا بہت شوق ہے۔ ہمارے گھر میں بہت سے اردو کے رسالے آتے ہیں جنھیں میں، میری بہنیں اور سہیلیاں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' میں مجھے 'یہ مزے مزے کی حکائتیں' اور 'دنیا ایک عجائب خانہ' بہت پسند ہیں۔ ناول 'اسی دن کا سفر' اور 'فسانۂ عجائب' میں نے بڑے شوق سے پڑھے ہیں۔ اب 'رابنسن کروسو' کی اگلی قسط کا انتظار رہتا ہے۔

اسما نشاط، معاذ کمیونکیشن، بارسی ٹاکلی، اکولا مہاراشٹر

□ میں اقصیٰ امجد پٹھان چوتھی کلاس میں پڑھتی ہوں اور میں ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں۔ میں غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ میاں میری یہ خواہش پوری کریں گے۔ میں بڑی ہو کر اپنے اسکول اور ماں باپ کا نام روشن کروں گی۔ اوروں کے لیے بھی میرا یہی پیغام ہے۔

□ میں عائشہ شیخ چوتھی کلاس میں ہوں اور پہلے میرا خیال تھا کہ میں بڑی ہو کر انجینئر بنوں تاکہ میں دوسروں کو کم قیمت میں ایک اچھا گھر تیار کر کے دے سکوں۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ بڑی ہو کر سائنٹسٹ بنوں تاکہ اپنے وطن ہندوستان کے لیے کچھ ایسی چیزیں ایجاد کر سکوں جو ہر عام و خاص کے کام آتی ہوں۔ میں ڈاکٹر عبدالکلام کی طرح اپنے ملک کا نام روشن کرنا چاہتی ہوں۔ میرے آئیڈیل میرے استاد ہیں جو میری صلاحیتوں کو چمکا رہے ہیں۔

□ میرا نام طوبیٰ ذویا ہے۔ میں اپنے ابّو کی طرح ڈاکٹر بننا چاہتی ہو۔ ڈاکٹر بن گئی تو دیکھ لیجیے گا، مریضوں کو دوائیں دینے سے پہلے ہی میں اپنی باتوں سے اور دلاسوں سے ان کی آدھی بیماری دور کر دیا کروں گی۔

□ بہت سے لوگوں کا ایک مقصد اور ایک خواب ہوتا ہے۔ اسی طرح میرا بھی ایک خواب ہے۔ ایک مقصد ہے۔ میرا خواب اور مقصد ہے ٹیچر بننا۔ میں معلّمہ بن کر سماج کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ کیوں کہ ایک معلم ہی سماج کو بناتا ہے اور بگاڑتا ہے۔ میرا نام عالیہ فردوس ہے اور علم کی روشنی گھر گھر پہنچانا چاہتی ہوں۔

یہ بظاہر ایک جیسی لگنے والی چاروں پیاری بچیاں چوتھی جماعت میں پڑھتی ہیں اور ان کا اسکول بھی ایک ہی ہے۔

سرسیّد احمد خان اُردو پرائمری اسکول، زم زم کالونی، بیڑ، مہاراشٹر

ادارہ

ویسے تو یہ ننھے قلم کاروں کی محفل ہے۔لیکن شہباز زریں کو ہم نے اس لیے شریکِ محفل کرلیا ہے کہ 'ماں' کے بارے میں بڑی پیاری پیاری باتیں انھوں نے ہمیں لکھ بھیجی ہیں۔مضمون ان کا طویل ہے، ہم نے اس میں سے کچھ مختصر باتیں چنی ہیں۔

ماں ایک عظیم ہستی!

گلاب جیسی خوشبو، چودھویں کے چاند جیسی چاندنی، فرشتوں جیسی معصومیت سچائی کا پیکر لازوال محبت، شفقت، تڑپ، قربانی جب یہ تمام لفظ یکجا ہوجائے تو بن جاتا ہے تین حرفوں کا لفظ 'ماں'۔ماں جس کے قدموں میں جنت ہے ماں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔

جب ماں کو اللہ تعالی نے بنایا تو فرشتوں کو حکم دیا چاند کی ٹھنڈک، شبنم کے آنسو، بلبل کے نغمے، گلاب کے رنگ، چکوری کی تڑپ، پھول کی چمک، کوئل کی کوک، سمندر کی گہرائی، دریاؤں کی روانی، موجوں کا جوش، کہکشاں کی رنگینی، زمین کی چمک، صبح کا نور اور آفتاب کی روشنی کو جمع کیا جائے تا کہ ماں کی تخلیق کی جائے۔

جب ماں کو اللہ نے بنایا تو فرشتوں نے پوچھا اے مالک دو جہاں تو نے اس میں اپنی طرف سے کیا شامل کیا۔اللہ رب العزت نے فرمایا 'محبت'

ماں۔یہ لفظ جب ہماری زبان سے نکلتا ہے تو ساری تلخیاں مٹ جاتی ہے۔دنیا میں سب سے حقیقی عشق ماں کا اپنی اولاد سے ہے۔ماں بے سہاروں کا سہارا ہے۔کمزور زندگی کی قوت ہے۔محبت اور ہمدردی کا سنگم ہے۔دنیا میں سب سے بڑا درجہ ماں کا ہے۔اسلیئے باپ سے پہلے لفظ ماں کا آتا ہے۔کبھی ایسا نہیں سنا ہوگا کہ باپ ماں کی خدمت کرو م بلکہ سب سے پہلے ایسا آتا ہے ماں باپ کی خدمت کرو۔

ماں ہمیں جنم دیتی ہے۔ہمارے لئے رات رات بھر جاگتی ہے۔لوریاں سناتی ہے۔بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک سنبھالتی ہے۔ہمیں اچھی باتیں سکھاتی ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بچے کا سب سے پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔

بوعلی سینا نے کہا: "زندگی میں محبت کی سب سے اعلی مثال تب دیکھی جب سیب چار تھے اور ہم ماں سمیت پانچ، تو ماں نے کہا کہ مجھے سیب پسند نہیں۔" غریبی میں بھی ماں تین چار بچے پال لیتی ہے مگر تین چار بچوں سے ایک ماں نہیں پالی جاتی۔

حضرت علی کا قول ہے: اپنی زبان کی تیزی اس ماں پر مت چلاؤ جس نے تمھیں بولنا سکھایا۔بوڑھے ماں باپ بچوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا ہمیں اسی طرح محبت سے خیال رکھنا چاہیے جس طرح وہ ہمارے بچپن میں ہمارا رکھتے تھے۔

آج جدید سائنسی تحقیق نے یہ بات ثابت کی ہے کہ ماں کی آواز ذہنی دباؤ سے نجات دیتی ہے۔چاہے وہ فون پر ہی کیوں نہ بات کر رہی ہو۔

یا اللہ، میری ماں کا سایہ تا حیات میرے وجود کو اسی طرح روشن کرتا رہے جس طرح تو اپنی رحمتوں کے سائے سے اس دنیا جہاں کو روشن رکھتا ہے۔آمین۔

شہباز زریں، اورنگ آباد، مہاراشٹر

ڈرائنگ: صائمہ بانو، ہوڑہ ہائی اسکول، شب پور، ہوڑہ مغربی بنگال

کارٹون: اسمانشاط، درجہ نہم بارسی ٹاکلی ضلع اکولا مہاراشٹر

ڈرائنگ: سعدیہ فاطمہ

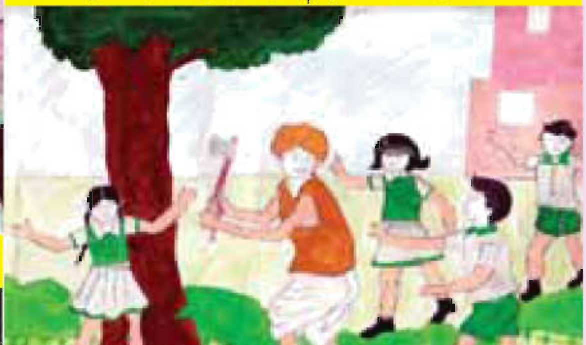

ڈرائنگ: راجیو گاندھی اسکول کی طالبہ

◀ڈرائنگ: ثانیہ صدف ▲ کمپیوٹرڈرائنگ: غلام علی درجہ 7 چرچ اسکول کولکاتا

انٹر نیٹ سے

ادارہ

▲22 اکتوبر1895 کی شام 4 بجے پیرس ایکسپریس کا انجن پیرس مونٹ پرناسے ٹرمنس کی دیوار توڑ کر نیچے ناک کے بل آگرا۔ گاڑی کچھ لیٹ تھی ۔ ڈرائیور نے وقت بچانے کے لیے رفتار بڑھا کر 25 سے 30 میل فی گھنٹہ کر دی لیکن ٹرمنس سے پہلے ٹرین کے ایئر بریک فیل ہو گئے اور وہ بفر سے ٹکرا گئی اور اس کا انجن الگ ہو کر اسٹیشن کی دیوار توڑ گیا۔ ڈرائیور پر 50 فرانک کا جرمانہ کیا گیا۔

▲اس شمارے کی خاص تصویر: امریکی ریاست ورجینیا کے رچمنڈ شہر کا وہ مقام جہاں تین ریل لائنیں کراس ہوتی ہیں ▼ نیچے چین کی 'شنگھائی میگلیو' ٹرین جو دنیا کی سب سے تیز رفتار ٹرین ہے اور مقناطیسی تکنیک سے چلتی ہے۔ یہ کمرشیل سروس کے زمرے میں 431 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔

▲دنیا کی سب سے تیز ٹرین اے جی وی اٹالو جس نے 2007 میں کچھ دیر کو 575 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار پکڑ کر ورلڈ ریکارڈ بنایا۔ اٹلی کی اس ٹرین کی اوسط رفتار 375 کلومیٹر ہے

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

صفحات: 62، قیمت: 14 روپے

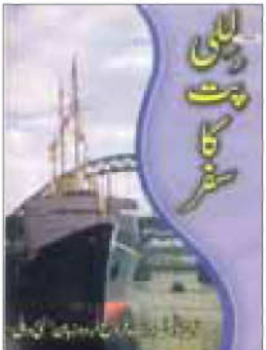
صفحات: 48، قیمت: 12 روپے

صفحات: 183، قیمت: 20 روپے

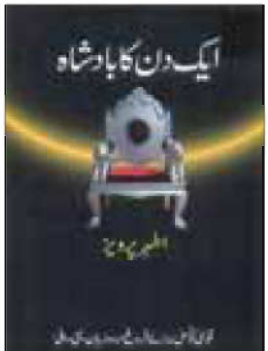

صفحات: 151، قیمت: 20 روپے

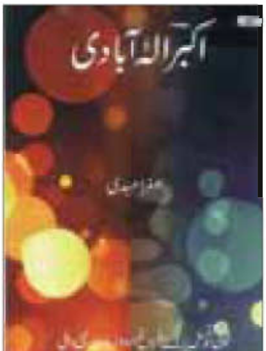

صفحات: 58، قیمت: 12 روپے

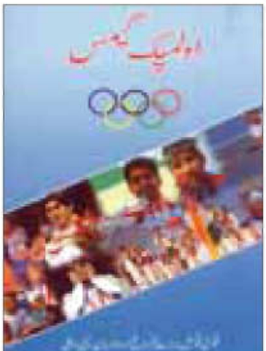

صفحات: 176، قیمت: 25 روپے

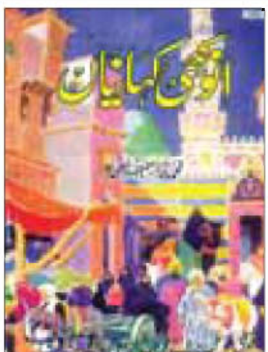

صفحات: 31، قیمت: 10 روپے

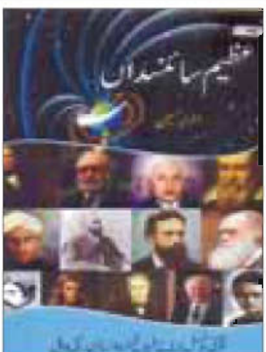

صفحات: 83، قیمت: 15 روپے

صفحات: 200، قیمت: 42 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی - 110066
فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, March 2015, Vol. 03, Issue: 3
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL (S) - 01/3439-2013-15
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/2/15
Date of Dispatch : 12 and 13 of Advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

صفحات: 87، قیمت: 21 روپے

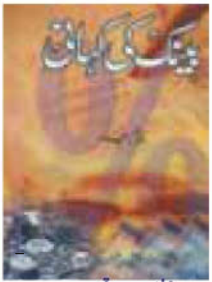

صفحات: 136، قیمت: 20 روپے

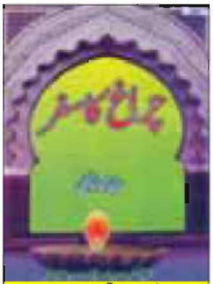

صفحات: 35، قیمت: 12 روپے

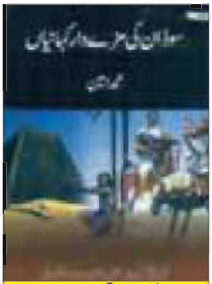

صفحات: 61، قیمت: 18 روپے

صفحات: 79، قیمت: 14 روپے

صفحات: 183، قیمت: 23 روپے

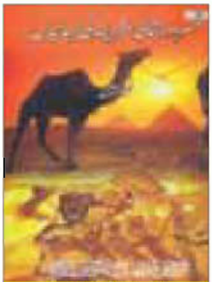

صفحات: 71، قیمت: 10 روپے

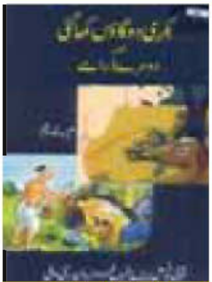

صفحات: 78، قیمت: 14 روپے

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, FAROGH-E-URDU-BHAWAN, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025, and printed at S. Narayan & Sons, B-88, Okhla Indl. Area Phase-II, New Delhi-110020 on 80 GSM Art Paper produced by JK Editor : Dr. Khwaja Md. Ekramuddin, Tel : 49539000